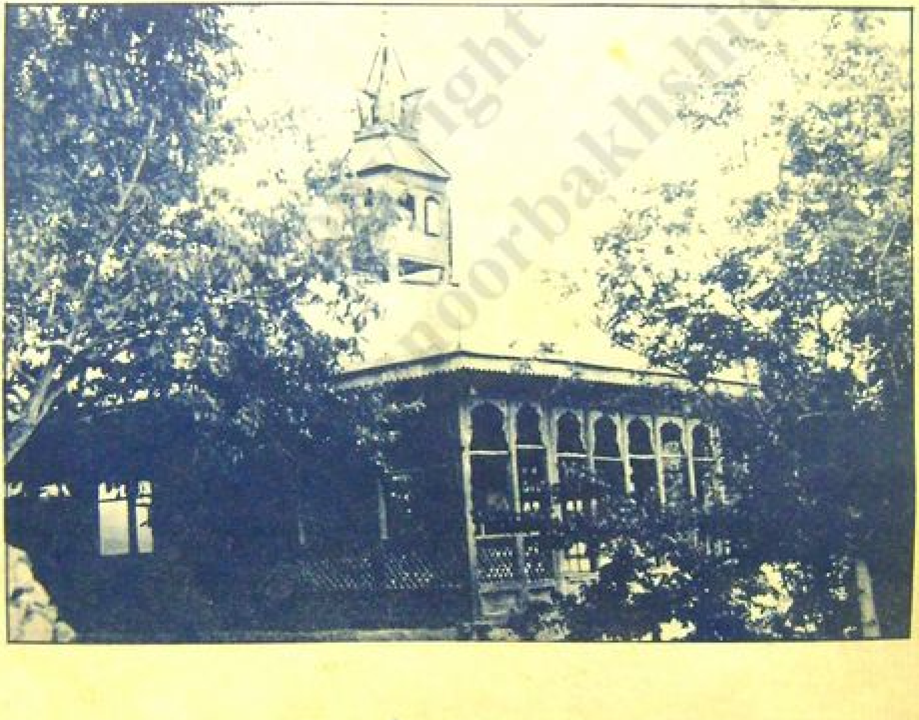
احیائے تصوف کا علمبردار

نوائے صوفیہ



جمعہ مسجد خپلو

نوائے صوفیہ

شمارہ نمبر ۷

نگرانی

ابوالعرفان علامہ محمد بشیر

صدارت

بالو محمد سلیم

اہتمام

قاجو محمد امین

آرگنائزر

غلام حسین معروفی

ادارت

ڈاکٹر غازی محمد نعیم

تفکر و تذکر

از قلم: غازی محمد نعیم

"نوائے صوفیہ" کو حیاتِ نو ملے ایک برس کی مدت ہونے والی ہے اور رسالے کی ساتویں قسط کی تدوین کرتے ہوئے میں حیات و کائنات کی پیچیدگیوں اور زمانے کی بڑھتی ہوئی رفتار کے متعلق سوچ رہا ہوں. میرا یہ متحرک عمل یا تو سب کچھ ہے یا کچھ بھی نہیں یا حقیقت ہے یا افسانہ، اور یا کوئی کارِ سود و زیاں ہے یا اس سے مبرّا و ماوراء کوئی چیز ——— جب میں نے لکھنے کے لیے قلم اٹھایا تو اس سے قبل کہ میں تحریر کا موضوع سوچوں میرے ذہن میں یہ سوال آیا کہ میری تحریر کی غرض و غایت کیا ہے ؟ اگر میں اپنے قلم کو جنبش نہ دوں تو حیات و کائنات کے اِس نظام میں کون سی کمی رہ جاتی ہے. اور سب سے اہم یہ سوال کہ خود "تحریر" کی حقیقت کیا ہے ؟

دنیا کی مصروفیات میں اُلجھ کر ہمیں اس طرح کی باتیں سوچنے کا بہت کم وقت ملتا ہے. کیا کبھی آپ نے خود سے سوال کیا کہ "میں کون ہوں" ؟ میری ہستی کا سبب کیا ہے ؟ میرے خوف اور خواہش کی کیا حقیقت ہے. میری مسرتوں اور غموں کا کیا نتیجہ ہے ؟ حیات و کائنات کے اس کاروبار میں میرا کیا حصہ ہے. اور اپنے فرائض سے مجھے کیونکر عہدہ برآ ہونا ہے. اور میری ہستی کا کیا انجام ہے ؟

انسانی معاشرے میں دو طرح کے افراد بستے ہیں. ایک قسم ان لوگوں کی ہے جو مندرجہ بالا سوالات اور اسی طرح کے دیگر امور پر غور و فکر کرتے ہیں. اور دوسرے وہ لوگ ہیں. جن کے پاس نہ اتنی عقل ہے اور نہ اتنا وقت کہ وہ ان "لایعنی" باتوں کے بارے میں سوچ سکیں. وہ اپنے کام سے کام رکھتے ہیں. اور زندگی کے مسائل کو اپنے انداز میں حل کرنے اور لذائذِ حیات سے بہرہ اندوز ہونے میں منہمک رہتے ہیں. اول الذکر وہ لوگ ہیں جنہیں ہم شعراء، صوفیاء، فلاسفہ، اور مفکرین کے ناموں سے یاد کرتے ہیں. دوسرے گروہ کے لوگ صنعت و حرفت، تجارت و معیشت، اور دیگر مسائل امن و جنگ کے حل اور انجام دہی میں مصروف رہتے ہیں. اس گروہ کے افراد بھی سوچ سے یکسر عاری نہیں ہوتے. مگر ان کی سوچ کا محور روح کے بجائے مادہ، مابعد الطبیعات کی بجائے طبیعات، شاعری کی بجائے معاشیات، خدا کی بجائے عالمِ عناصر اور آغاز و انجام کی بجائے زندگی کا لمحہ موجود ہوا کرتا ہے. بدقسمتی سے گروہ ثانی سے متعلق بہت سے افراد کی سوچ کا دائرہ انتہائی محدود ہے. اور یہ لوگ حیوانات کی طرح صرف بھوک، پیاس، سردی، گرمی، جنس، تعیش اور غلبہ و اقتدار کے بارے میں سوچ سکتے ہیں. حتیٰ کہ ان کی لغتِ حیات میں بعض اوقات محبت، مروت، ہمدردی، وفا، ایثار جیسے الفاظ بھی معدوم ہوتے ہیں. یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا تعالیٰ

فرماتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے متعلق خدا تعالےٰ فرماتے ہیں۔ اولٰئک کالانعام بل ھم اضل یعنی یہ جانوروں کی طرح ہیں۔ بلکہ ان سے بھی بدتر ہیں۔

یہاں یہ سوال پوچھا جا سکتا ہے کہ میں سوچنے والوں کی طرف داری کیوں کر رہا ہوں ؟ ـــــ دراصل سوچنے والوں کی طرف داری خود خدا تعالےٰ نے کی ہے۔ اور "اولوالباب" کے نام سے یاد فرما کر انہیں عز و شرف بخشا ہے۔

اِس تمہید کے بعد مسئلہ پھر اپنے نقطۂ آغاز پہ واپس آ جاتا ہے۔ کہ اگر کوئی فردِ بشر سوچتا ہے تو وہ کیوں سوچتا ہے ؟ اور اسے کیا سوچنا چاہیئے ؟

پہلے سوال کا جواب تو آسان ہے۔ کہ سوچنا اس کی مجبوری ہے اور اس فعل میں وہ بے اختیار ہے اس لئے کیوں کی اہمیت اس مقام پہ کم ہو جاتی ہے البتہ دوسرے سوال کا جواب یہ ہے کہ آدمی اپنی حیوانی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ تین باتیں سوچتا ہے۔

حقیقتِ حیات اور انجامِ حیات۔ حقیقتِ کائنات۔ اور حقیقتِ خالقِ حیات و کائنات۔

جہاں تک کائنات کا تعلق ہے۔ اس کا وجود تامتر مادی کا ہے اگرچہ اس کی وسعت کے تصور سے انسانی عقل بسا اوقات چکرا جاتی ہے تاہم اس میدان میں تصور کسی حد تک ہمارا ساتھ دیتا ہے۔

مثلاً میں سوچ سکتا ہوں کہ میں ایک آدمی (HOMOSAPIEN) ہوں میں ایک چھوٹے سے گاؤں میں پیدا ہوا۔ اور حصولِ تعلیم و تربیت اور کسبِ معاش کی ذمہ داریاں پوری کرنے اور اپنی اولاد کو جنم دینے کے بعد ایک دن مر جاؤں گا۔ جہاں میں پیدا ہوا وہ گاؤں ایک ملک کا ایک چھوٹا سا قطعہ ہے۔ یہ ملک ایک وسیع براعظم کا حصہ ہے۔ جو کرۂ ارض کے سات براعظموں میں سے ایک ہے۔ خود کرۂ ارض نظامِ شمسی کا ایک حصہ ہے جس کا سورج ہماری دنیا سے کروڑوں گنا بڑا ہے۔ یہ نظامِ شمسی ایک کہکشاں کا حصہ ہے۔ اور اس کہکشاں میں اتنے ستارے ہیں۔ جن کی تعداد بقول کسی مفکر یا محقق کے دنیا کے تمام ساحلوں پر موجود ریت کے ذروں سے بھی زیادہ ہے۔ اکثر ستارے ہمارے سورج سے بھی بڑے ہیں۔ اور ان ستاروں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے کہ گویا ہر ستارہ کسی ایسے جہاز کی مانند ہے جو ایک وسیع سمندر میں تنہا سفر کر رہا ہو۔ کائناتی فاصلے نوری سالوں میں ناپے جاتے ہیں۔ بعض ستاروں کی روشنی ہم تک ہزاروں نوری سالوں میں پہنچتی ہے۔ اور نوری سال وہ فاصلہ ہے جو روشنی مسلسل ایک برس میں طے کرے۔ اور روشنی کی رفتار ـــــ میل فی سیکنڈ ہے۔ غرض کون ہے جو اس کائنات کی وسعت کا اندازہ لگا سکے۔ "اللہ اکبر"۔ اب اس وسیع کائنات میں صرف ہمارا کرۂ ارض ہی وہ مقام ہے جہاں اب تک زندگی کا وجود معلوم ہو سکا ہے اور جو یہاں زندہ ہیں ان میں سے اکثریت عالمِ نباتات سے تعلق رکھتی ہیں اور جو عالمِ حیوانات کے زمرے میں آتی ہیں ان کی ایک نہایت کم تعداد کی حامل نوع ـــــ بنی نوعِ انسان ہے۔ اور اس بنی نوعِ انسان نے اس عالم کو رنگ، نسل، مذہب اور زبان کی بنیاد پر کئی خطوں اور علاقوں میں تقسیم کر رکھا ہے۔ اور ہوسِ ملک گیری اور تقسیمِ زر کی خاطر اکثر جنگ و جدل ہوتی رہتی ہے۔ اور کچھ لوگ اعمال اور عقائد کو بنیاد بنا کر دست و گریباں رہتے ہیں۔ کالا گورے سے مصروفِ جنگ، سرمایہ دار مزدور سے دست و گریباں کافر مسلم سے برسرِ پیکار، اور خود مسلمان ایک دوسرے کے خلاف فتوے صادر کرنے اور ایک دوسرے کے جذبات و احساسات کو مجروح کرنے میں مصروف۔ ذرا سوچئے تو اس نظام میں کسی فردِ بشر کا امریکی، روسی، مسلمان، کافر وہابی، سُنّی، امامی، اور صوفی ہونا بھلا کیا حیثیت رکھتا ہے ؟

لیکن دوسری طرف ایک عام آدمی کے لئے اصل اہمیت اس وسیع و عریض کائنات کی نہیں۔ بلکہ اس ماحول کی ہے۔ جس میں وہ رہتا ہے۔ اور یہ ماحول جس میں آج ہم آپ رہتے ہیں ایسا ماحول ہے جس میں فرمانروائی سائنس اور ٹیکنالوجی کو حاصل ہے۔ سائنسی اعتبار سے ترقی یافتہ ممالک کے ہاتھ میں عالمی معیشت کی باگ ڈور ہے۔ اور غریب و پسماندہ قومیں استحصال اور غربت کی چکی میں پس رہی ہیں۔ ان غریب قوموں کو نہ تو جینے اور مرنے کی مکمل آزادی اور نہ ہی اسبابِ حیات تک رسائی۔ ہر طرف بھوک ننگ، جہالت بیروزگاری، تعصب اور جرائم کا دور دورہ ہے۔ اور ان غریب قوموں کے حساس اور سوچنے والے افراد ان آلام و مصائب کے نتیجے میں پیدا ہونے والی قنوطیت کو سینے میں بسائے اکثر زندہ در گور رہتے ہیں۔ نوکری۔ تنخواہ۔ کاروبار۔ مقابلے کا امتحان۔ بجلی کا بل۔ نئے ماڈل کی کار۔ مکان اور پلاٹ۔ بیٹی کا جہیز بیوی بچوں کے جھگڑے۔ افسر کی ڈانٹ۔ ٹریفک کا حادثہ۔ یہی باتیں ہیں ہم جیسے انسانوں کی سوچوں کا محور اور مرکز ؟ ـــــ ہاں۔ ہاں یہی ہمارا تصورِ کائنات ہے یہی ہمارا الگ کائنات۔ اور کائناتِ فکر ہے۔

اب آیئے حیات کی طرف۔ بلکہ مسائلِ حیات کا ذکر تو اوپر ہو چکا ہے۔

لیکن اس ضمن میں چند اور باتیں غور طلب ہیں جو یہ ہیں۔

زندگی کی حقیقت و ماہیت۔ اس کا آغاز و انجام۔ اس کے تقاضے اور اس کو گزارنے کا سلیقہ۔

جہاں تک حقیقت حیات کا تعلق ہے زندگی مادہ اور روح کا مرکب ہے۔ اس کا مادہ حصہ تو اپنی ترکیب اور اجزاء کی ساخت اور خواص کے اعتبار سے دیگر عالم موجودات سے چنداں مختلف نہیں۔ البتہ روح ایسی چیز ہے جو اس مادی پیکر کو باقی تمام اشیاء سے ممتاز و ممیز کر دیتا ہے روح کی حقیقت کو سمجھنا مشکل ہے۔ قرآن حکیم نے اس کی حقیقت کے بیان میں صرف اتنا کہنے پر اکتفا کیا ہے۔ قل الروح من امر ربی یعنی کہہ دیجئے کہ روح میرے رب کے حکم سے ہے۔ نظری علوم کے ماہرین کو روح کی حقیقت تا حال معلوم نہیں ہو سکی۔ البتہ اللہ کے برگزیدہ بندے ممکن ہے اس کی حقیقت کا شعور رکھتے ہوں۔ بہر حال اس گورکھ دھندے کو ایک طرف رکھ کر ہم سادہ الفاظ میں زندگی کو مادہ اور روح کا مرکب قرار دینے پر اکتفا کرتے ہیں۔ لیکن پھر زندگی کے آغاز اور انجام کے بارے میں غور کرنا پڑتا ہے۔ جہاں تک آغاز حیات کا تعلق ہے اہل مذہب کے نزدیک اتنا کہنا کافی ہے کہ خدا نے منجملہ اور موجودات عالم کے زندہ اشیاء کو بشمول حضرت انسان پیدا کیا۔ نظری سائنس کے ماہر نظریہ ارتقاء میں یقین رکھتے ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ زندگی مسلسل ارتقاء کے نتیجے میں اور چند حادثات کے باعث غیر جاندار اشیاء سے پیدا ہوئی اور سادگی سے پیچیدگی کی طرف مسلسل محو سفر ہے۔ جہاں تک انجام حیات کا تعلق ہے دہریوں اور نظری سائنس کے ماہرین کے ہاں انجام حیات کے بارے میں کوئی واضح اعتقاد موجود نہیں۔ جبکہ بیشتر اہل مذہب حضرات حیات بعد الموت کا اعتقاد رکھتے ہیں۔ یہ حیات بعد الموت کب تک چلے گی۔ اس کے بارے میں وہ بھی کچھ نہیں جانتے۔

جہاں تک زندگی گزارنے کے سلیقہ کا تعلق ہے۔ اول تو انسان کا اپنا ضمیر اس ضمن میں اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اور دوسرے انبیاء، علماء، صوفیاء۔ اور اولو الالباب کے گروہ سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد کی تعلیمات بھی دیگر انسانوں کے لئے مشعل راہ ہیں۔ ہاں اس بات کی ضرورت ہے کہ آدمی اپنے نفس کا محاسبہ کرے۔ اپنی خواہشوں کی تہذیب کرے اور اپنی روح کی تطہیر کرنے کی کوشش کرے۔ سوچ کی تیسری قسم خالق حیات و کائنات سے متعلق ہے۔ یہ بھی ایک عمومی سوچ ہے۔ اور سوائے دہریوں کے ہر انسان اپنے پیدا کرنے والے کے بارے میں تفکر کرتا ہے۔ لیکن اگر کوئی انسان اس تفکر کو اپنا وظیفہ حیات بنا لے تو ایسا انسان راہ سلوک و معرفت کا راہی بن جاتا ہے۔

ارباب تصوف کے نزدیک فکر کی یہ تینوں جہتیں اہم ہیں۔ کائنات اور اس کے مظاہر میں تفکر کرنا از روئے قرآن مومن کا شیوہ ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

ویتفکرون فی خلق السموٰت والارض
لآیات لاولی الالباب۔

نیز قرآن پاک میں بار بار اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ۔ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ۔ کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ اسی طرح زندگی کے بارے میں اور زندگی دینے والی ذات کے بارے میں سوچنے کی اہمیت بھی از روئے قرآن ثابت ہے نیز ارشاد نبوی ہے! مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ کی رو سے تو انسان کے اپنے نفس کی پہچان رب تعالیٰ کی پہچان کا براہ راست وسیلہ ہے۔ تفکر کی اہمیت تذکر سے کہیں زیادہ ہے۔ اور یہ بات بھی اسلامی تعلیمات سے ثابت ہے ـــــ تو اب تک بحث سے ثابت ہوا کہ صوفی ایک صاحب عقل اور صاحب دل انسان ہے۔ جو عام انسانوں کی طرح خورد و نوش اور لذائذ حیات کا جویا ہونے کی بجائے اپنی ہستی کے اصل مقصد اور اپنے خالق کی معرفت کو پانے کی جستجو کرتا ہے "ندائے صوفیہ" کے اجراء کا اہم ترین مقصد اسی تفکر کی تحریک کو فروغ دینا ہے۔ تاکہ ہم اپنی زندگی کے مقصد اصلی کو پا سکیں۔ اور اپنے رب کو پہچان سکیں۔ اور اس کے حضور سرخرو ہوں۔ یہ بات باعث اطمینان ہے کہ اس تحریک کے ضمن میں قارئین "ندائے صوفیہ" کی طرف سے نہایت حوصلہ افزاء اور مثبت رد عمل کا اظہار ہوا ہے۔ ندائے صوفیہ کے قارئین نہ صرف اس رسالے کے مندرجات کو بغور پڑھتے اور اس میں غور و تفکر کرتے ہیں بلکہ اپنے تاثرات اور قیمتی رائے سے بھی ہمیں نوازتے ہیں۔ گذشتہ تین شماروں کے بارے میں نوجوانوں نے جس جوش و خروش کا مظاہرہ کیا ہے وہ لائق تحسین ہے اور ہم رب کریم کے حضور سجدہ شکر بجا لانے میں اسی لئے حق بجانب ہیں۔ کہ ہمیں اپنی محنت اور لگن کا پھل ملتا نظر آ رہا ہے۔

اس مادی دور میں جب کہ ہر طرف افراتفری کا دور دورہ ہے۔ ہوائے نفسانی کی پرستش عام ہے۔ بھائی بھائی کا گلا کاٹ رہا ہے۔ اور ہر اپنے انجام

سے بے خبر ہلاکت کے راستے پر گامزن ہے احیائے تصوف کی تحریک گویا اندھیری میں چراغ جلانے کے مترادف ہے۔ مگر ہم مایوس نہیں، انشاء اللہ یہ چراغ جل کے رہے گا اور دلوں کے اندھیرے چھٹ جائیں گے۔ نوائے صوفیہ کے آغاز سے بہت سے نوجوانوں میں دینی جذبہ بیدار ہوا ہے۔ اور نوجوانوں کی علمی اور فکری صلاحیتیں بھی منظر عام پر آرہی ہیں۔ گذشتہ شمارے میں شائع شدہ مضامین "گلشن راز" اور "سرگذشت استغراقی" اپنے اپنے صاحبِ مضمون کی تحقیقی اور فکری صلاحیتوں کا پتہ دیتے ہیں۔ جیسا کہ پچھلے شمارے میں عرض کر چکا ہوں کہ نوائے صوفیہ ایک علمی تحریک کا نقطہ آغاز ہے۔ میری نوجوانوں سے اپیل ہے کہ وہ محض اعتقاد تقلید کو اپنا شیوہ زندگی بنانے کی بجائے تحقیق اور تعقل سیدھی کے میدان میں اپنا علم بلند کریں۔ اسلاف نے ہمارے لئے علم اور معرفت کا جو عظیم سرمایہ چھوڑا ہے اس کی نگہداری اور اس کے فیض کو عام کرنے کی ذمہ داری ہم آپ پر ہی عائد ہے۔ امید ہے کہ تعلیم یافتہ نوجوان اپنا اپنی تحقیق اور جستجو کے ثمرے کا نوائے صوفیہ کو مستفید کرنے کی خاطر اپنی نگارشات نوائے صوفیہ کو ارسال کریں گے۔ اور اس علمی تحریک کو کامیاب بنانے میں ہماری مدد کریں گے۔

مدیر

قولِ علی در فضیلتِ علم

سید منظور حسین کاظمی سروی اسلام آباد

رضنا قسمت الجبار فینا
لنا علمٌ و للجہال مالٌ

ہم خدا کی تقسیم سے خوش ہیں جس نے ہمیں علم سے نوازا ہے اور جاہلوں کو مال دیا ہے۔

فَاِنَّ المَالَ یفنَا عن قریب
وَاِنَّ العِلمَ باقی لا نزوال

کیونکہ مال جلد فنا ہونے والی چیز ہے اور علم ہمیشہ زندہ رہنے والی لازوال دولت ہے۔

جہاں تک دیکھئے تعلیم کی فرمانروائی ہے
جو سچ پوچھو تو پیچھے علم ہے اوپر خدائی ہے

حضرت علیؑ کے اقوالِ زریں

۱۔ لوگوں سے اس طرح ملو کہ اگر مر جاؤ تو تم پر روئیں اور اگر زندہ رہو تو تمہارے مشتاق ہوں۔
۲۔ عقل مند کی زبان اس کے دل کے پیچھے ہے اور بے وقوف کا دل اس کی زبان کے پیچھے۔
۳۔ جب عقل بڑھتی ہے تو باتیں کم ہو جاتی ہیں۔
۴۔ بہت سے پڑھے لکھوں کو دین سے بے خبری تباہ کر دیتی ہے جو علم اُن کے پاس ہوتا ہے انہیں ذرا بھی فائدہ نہیں پہنچاتا۔
۵۔ غم آدھا بڑھاپا ہے
۶ جو میانہ روی اختیار کرتا ہے وہ محتاج نہیں ہوتا۔

گذشتہ سے پیوستہ

ابوالعرفان محمد بشیر

مجموعۂ شریعت محمدیہ

وَفِي الْكُبْرَىٰ وَجَبَتِ النِّيَّةُ وَهِيَ أَنْ تَقُولَ
فِي قَلْبِكَ أَغْتَسِلُ لِرَفْعِ حَدَثِ الْجَنَابَةِ وَاسْتِبَاحَةِ
الصَّلٰوةِ لِوُجُوبِهِ قُرْبَةً إِلَى اللّٰهِ وَإِنْ جَرَتْ عَلَىٰ لِسَانِكَ
مَعَ الْقَلْبِ فَصَوَابٌ وَغَسْلُ جَمِيعِ بَدَنِكَ بِالْاِسْتِيعَابِ
تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ وَالتَّرْتِيبُ وَهُوَ أَنْ تَصُبَّ الْمَاءَ
عَلَى الرَّاسِ ثُمَّ عَلَى الْجَانِبِ الْاَيْمَنِ ثُمَّ عَلَى الْجَانِبِ
الْاَيْسَرِ وَالْمُوَالَاتُ وَاِنْ غَمَسْتَ فِي الْمَاءِ
مُسْتَوْعِبًا تَحْتَ كُلِّ شَعْرَةٍ سَقَطَ التَّرْتِيبُ
وَفَصْلُ الْمُوَالَاتِ بِلَا كُلْفَةٍ ٥

ترجمہ:۔ طہارتِ کبریٰ (غسل) کی بجا آوری کی صورت میں یہ امور واجب ہیں: (۱) نیت کرنا۔ اس کی صورت یوں ہے کہ آپ اپنے دل میں یوں تصور کرے کہ میں جنابت کی ناپاکی کو دور کرنے اور نماز کو درست بنانے کی خاطر واجب ہونے کی بناء پر قربِ الٰہی کے واسطے غسل کرتا/کرتی ہوں۔ اگر نیت کی یہ صورت دل کے ساتھ ساتھ آپ کی زبان پر بھی چل جائے تو بہتر ہے۔

(۲) ہر ایک بال کے نیچے پانی پہنچاتے ہوئے اپنے پورے بدن کو دھو ڈالنا۔

(۳) ترتیب کا لحاظ رکھنا۔ ترتیب کی صورت یوں ہے کہ آپ پہلے سر پہ پانی بہا دے پھر دائیں جانب کو دھو ڈالے اور اس کے بعد بائیں طرف کو۔

(۴) موالات یعنی مذکورہ تینوں امور کی انجام دہی یکے بعد دیگرے بلا وقفہ کرنا۔

اگر آپ پانی میں یوں ڈبکی لگا دے کہ آپ نے پانی سے اپنے پورے بدن کو ایسا ڈھانپ لیا کہ ہر ایک بال کے نیچے پانی پہنچ گیا تو ایسی صورت میں ترتیب والا واجب امر خود بخود ساقط ہو جائے گا اور موالات والا واجب امر بغیر کسی مشقت کے خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

وضاحت

ان مذکورہ عبارات میں تین چیزوں کا بیان ہوا ہے۔

(۱) غسل کے واجبات

(۲) غسل ترتیبی

(۳) غسل غیر ترتیبی

غسل کے واجبات کل چار امور متعین ہیں ان چاروں کا حصول نمبروار یوں بجا لانا کہ ان کی بجا آوری کے دوران کسی اجنبی کام کا فاصلہ پیدا نہ کرنے پائے۔ اس عمل میں ترتیب اور موالات کا حصول ہو جائے گا اور یہ غسل ترتیبی ٹھہرے گا۔

اگر غسل کے درپے کوئی فرد نیت غسل کے ساتھ کسی گہرے پانی میں ڈبکی مارے یا چھلانگ لگا دے اور اس کا پورا بدن پانی میں اوجھل ہو جائے نیز یہ یقین ہو جائے کہ بدن کا کوئی بھی حصہ پانی لگنے سے رہ نہیں گیا ہے تو ایسی صورت میں یہ غسل غیر ترتیبی ٹھہرے گا بعض حضرات اس قسم کے غسل کو غسل ارتماسی کہتے ہیں اس غیر ترتیبی غسل کے نتیجے میں ترتیب کے گر جانے کے ساتھ موالات کے حصول کا مقصد خود بخود پورا ہو جائے گا — (جاری ہے)

نشر و اشاعت وقت کی اہم ترین ضرورت

بقلم غلام حسن نوربخشی

اس مضمون کو غلام حسن معروفی صاحب کے مضمون "نشر و اشاعت کی اہمیت" کا تکملہ سمجھنا چاہیئے

موجودہ تہذیب و تمدن کا کمال دراصل دورِ حاضر کے ذرائع ابلاغ ہیں۔ اس سائنسی دور کو اجاگر کرنے میں ابلاغیات نے بے حد اہم کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ اور سائنس نے بھی ابلاغیات کیلئے ایسے وسائل پیدا کیے ہیں۔ جس کی وجہ سے اب ابلاغیات ایک وسیع شعبہ علوم کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ ترقی یافتہ اقوام اپنی طاقتور ابلاغیات جسے میڈیا کا نام دیا جاتا ہے کے ذریعے دن رات درست و غلط اعلانات نشر کرتی رہتی ہے۔ اور پروپیگنڈے کا وہ انداز اختیار کیا جاتا ہے۔ جس کی بدولت وہ اہم ترین واقعات کو معمولی اور معمولی واقعات کو بڑھا چڑھا کر پیش کرتی ہیں۔ اس طرح اہم ترین واقعات محض میڈیا کی بدولت طاقِ نسیاں میں رکھ کر فراموش کر دیئے جاتے ہیں اور معمولی واقعات کو خوب پروپیگنڈے کے ذریعے اقوامِ عالم کی توجہ کا مرکز بنا دیا جاتا ہے۔ جیسا کہ اس وقت میڈیا کے مالکان اپنی ذاتی قومی اور ملکی مفادات پیشِ نظر رکھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کو نقصان پہنچانے اور دینِ اسلام کو بدنام کرنے کے لئے میڈیا کے ادارے معمولی باتوں کو بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔ جبکہ فائدہ پہنچانے والے بزرگ ترین واقعات کو معمولی انداز میں پیش کرتے ہیں یہی حال مسلمان دانشوروں کے کارناموں کی تشہیر کا بھی ہوتا ہے۔

زمانہ حاضر کے طاقتور ابلاغیات میں الیکٹرانک میڈیا کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے پھر اخبارات و رسائل اور کتب وغیرہ آتے ہیں جبکہ موجودہ سائنسی دور سے قبل سب سے زیادہ اہمیت کتب و رسائل کو حاصل تھی۔ چنانچہ ہمارے بزرگوں نے اسی طاقتور ذریعے دینی علوم کی نشر و اشاعت اور عوام الناس کی تہذیب اخلاق و ایمان میں خوب فائدہ اٹھایا۔ اس ضمن میں شیخ احمد غزالی، شیخ نجم الدین کبریٰ، شیخ ابو النجیب سہروردی، شیخ علاؤ الدولہ سمنانی، شیخ عبدالرحمٰن اسفرائنی، میر سید علی ہمدانی اور میر سید محمد نوربخش کثیر التصانیف بزرگ ہیں۔ جن کی تصانیف آج بھی دنیا کے بڑے بڑے کتاب خانوں کی زینت ہیں۔ ان بزرگوں کی تصانیف اسقدر مقبول عام ہوئیں کہ بعض پر شرحیں لکھی گئیں۔ بعض کے کئی کئی زبانوں میں ترجمے ہوئے۔ اور اب بھی عالمِ نوربخشیت سے باہر مقبول ہیں۔ اور شائع ہوتی رہتی ہیں۔ مگر نوربخشیوں کو ان کے ایک دو ایڈیشن ختم ہونے کے بعد پتہ چلتا ہے ہمارے بزرگوں نے وقت کی اہم ترین ضرورت کا بروقت احساس کیا جب کہ ہم آنکھ بند کر کے شتر مرغ کی مانند اندھے بہرے بنے رہے ہیں۔

اگرچہ فی زمانہ ابلاغیات میں سے طاقتور الیکٹرانکس میڈیا ہیں۔ اور مختلف اقوام اور مذہبی جماعتیں ان سے کام لے رہے ہیں۔ اور بڑے زور و شور کے ساتھ اپنے مقاصد کا پرچار کرتے ہیں۔ ہمارے لئے ایسا ادارہ قائم کرنا اور قائم کرنے کے بعد اسے چلانا فی الحال ممکن نہیں ہے۔ البتہ کتب و رسائل کی تحریر۔ اور بزرگوں کے کتب و رسائل بھرپور طریقے سے شائع کرنے کی ضرورت ہے۔

بزرگانِ نوربخشیہ اور تصنیف و تالیف:

سلسلۃ الذہب کے بزرگوں نے تصنیف و تالیف کے شعبے کو بہت اہمیت دی ہے۔ جس کا عملی ثبوت ان کی تصانیف ہیں جو زمانہ کے علی الرغم اب بھی ہر جگہ دستیاب ہیں۔ ہمارے مخالفین بھرپور کوشش کے باوجود انہیں مٹانے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ سنہ ۹۴۰ھ سے سنہ ۹۵۸ھ کے درمیان کشمیر کے حکمران مرزا حیدر دوغلت نے نوربخشی کتابوں کو جلانے اور نوربخشی آثار ختم کرنے کی بھرپور کوشش کی تھی۔ لیکن اس کی تمام تر کوششوں کے باوجود نوربخشی بزرگوں خاص طور پر میر سید محمد نوربخش کے اشعار اب بھی بالکل محفوظ ہیں۔ لیکن ان میں سے بہت کم اشعار شائع ہوئے ہیں۔ ضرورت

اِس امر کی ہے کہ انہیں شائع کرنے کی سنجیدہ کوشش کی جائے۔
مرزا حیدر دوغلت کی سختی اور جبر واستبداد کا ردِ عمل یہ نکلنا چاہیئے تھا کہ نوربخشی اہلِ علم بزرگوں کی تصانیف محفوظ رکھنے کے ساتھ ساتھ خود بھی کتابیں اور رسالے لکھتے۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ انہوں نے اول الذکر کام کو بخوبی انجام دیا۔ مگر دوسرے امر کی طرف انہوں نے کوئی توجہ نہ دی۔ چنانچہ آج ہم دیکھتے ہیں میر سید محمد نوربخش کے بعد ملا محمد علی کشمیری نے تحفۃ الاحباب لکھی جسے نوربخشی سلسلے کی مستند ترین تاریخ قرار دیا جاسکتا ہے۔ پھر کوئی ایسی کتاب منظرِ عام پر نہ آئی گویا میر سید محمد نوربخش کی وفات کے تقریباً اڑھائی برس کے طویل عرصے میں صرف اور صرف تحفۃ الاحباب منصۂ شہود پر آئی ہے۔ اور اس کے بعد میر مختار اخیار کے زمانے میں دعوات الصوفیہ، نوربخشیہ، درویشیہ، امامیہ، اور فقہ احوط کی شرح سراج الاسلام تصنیف ہوئیں۔ تب سے چودھویں صدی کے تیسرے عشرے تک جو تقریباً سوا دو سال کا عرصہ بنتا ہے۔ کوئی کتاب تصنیف نہیں ہو سکی۔

یہاں میں اس امر کی وضاحت ضروری سمجھتا ہوں کہ دعوات الصوفیہ، نوربخشیہ، رسالہ امامیہ اور درویشیہ کی علمی حیثیت ظاہر ہے۔ پھر بھی ان کتابوں نے نوربخشی اعمال وعقائد اور رہن سہن پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ ان کتابوں کا مصنف غالباً ایک ہی شخص ہے جس کے بارے میں ہمیں علم ہے۔ ان کتابوں کے مضامین اور مشمولات میں چنداں فرق نہیں ہے۔ یہ کتابیں کتنی بار چھپیں ہیں۔ فقہ احوط کی شرح سراج الاسلام ایک قابلِ قدر علمی اضافہ ہے۔ نیز الفقہ الاحوط کے دو الگ الگ منظوم فارسی ترجمے بھی دستیاب ہوئے ہیں۔ جو بعد اہم ہیں۔ میں حیران ہوں کہ الفقہ الاحوط جیسی ضخیم اور مشکل کتاب کے منظوم ترجمہ کرنے والے باصلاحیت لوگوں نے مختلف موضوعات پر کتب و رسائل کیوں نہیں لکھے؟ اگر لکھے ہوں تو یہ محفوظ کیوں نہ رہ سکیں؟

گوشوارہ کتب بزرگان نوربخشیہ

نمبر شمار	نام بزرگ	کل تعداد تصنیف	جنہیں راقم حاصل کر سکا۔	جن کا حصول ممکن ہے۔
۱۔	شیخ ابونجیب سہروردی	۸	۱	۶
۲۔	شیخ نجم الدین کبریٰ	۱۶	۴	۱۰
۳۔*	عبدالرحمٰن اسفرائنی	۱۵۰	۷	۵۲
۴۔	علاؤالدولہ سمنانی	۶۸	۴	۴۳
۵۔	میر سید علی ہمدانی	۱۷۰	۴۷	۳۲
۶۔	سید محمد نوربخش	۲۸	۲۲	۵
۷۔	شیخ احمد غزالی	۱۲	۳	۸
۸۔	شیخ دانیال شہید	۱	—	ناممکن الحصول
۹۔	نجم الدین الثاقب	۳	۱	۶ ۲

دورِ جدید میں تصنیف کا عمل ؒ

دورِ جدید سے میری مراد موجودہ صدی ہے۔ گذشتہ صفحات میں میں واضح کر چکا ہوں کہ تقریباً ساڑھے پانچ سو سال سے کوئی ایک معیاری کتاب تصنیف نہیں ہوئی۔ لیکن موجودہ صدی کے دوسرے اور تیسرے عشرے سے پھر تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس دور میں سید قاسم شاہ کھرکوی اور مولوی حمزہ علی صاحب خپلوی نے قابلِ قدر تصنیف و تالیف کا کام کیا۔ لیکن چونکہ انہیں محض مخالفین کا جواب دینا تھا، اور نوربخشی بزرگوں کی کتابیں ان کے پیشِ نظر تھیں۔ چنانچہ انہوں نے مخالفین اور معترضین کو ان کی اپنی کتابوں کے حوالے جواب دینے کی کامیاب کوششیں کی ہیں۔ اس طرح ان کی کتابیں مناظرانہ رنگ لئے ہوئے ہیں۔

۱۹۴۷ء میں نوربخشیوں کا گڑھ بلتستان آزاد ہوا۔ اگرچہ نوربخشیوں میں اس وقت بھی اچھے لکھنے والے موجود تھے۔ مگر ساڑھے پانچ سو سال کے جمود، ناموافق ماحول، طرح طرح کے قدغن نے انہیں اس طرف پیش قدمی کرنے کا حوصلہ نہیں دیا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ اس دوران نوربخشیوں سے متعلق بلتستان کے شیعوں اور سنیوں کے درمیان زبردست قلمی جنگ ہوئی۔ جس میں برصغیر کے سنّی اور شیعہ حضرات بھی کود پڑے۔ اس طرح نوربخشیوں کی حمایت اور مخالفت میں بہت کچھ لکھا اور چھاپا گیا۔ مگر نوربخشی لوگوں کو خود کچھ لکھنے اور چھاپنے کی توفیق نہیں ہوئی۔ اسی دوران میں بعض غیر نوربخشی عناصر نے نوربخشی کتب دخل اندازیاں بھی کیں۔ اور قطع و برید اور ترمیم و اضافے کے ساتھ کتابیں بھی شائع کیں۔

چنانچہ انہی عناصر کے توڑ کیلئے غالباً ۱۹۶۳ء میں ایک کمیٹی کے قیام کا فیصلہ ہوا۔ اور اس کے عہدے دار بھی مقرر ہوئے۔ اور یہ کمیٹی ابھی تک زندہ بھی ہے۔ مگر نہ تو اس کے عہدے داروں میں کوئی تبدیلی ہوئی اور نہ اس نے کوئی کام کیا۔ تاہم اسی زمانے میں دینی مدارس میں زیرِ تعلیم طلبا کی تنظیم ندوۃ اسلامیہ وجود میں آئی اور اس نے غیر معمولی مزاحمت کے علی الرغم تصنیف و تالیف کے میدان میں اب تک گرانقدر کامیابیاں حاصل کی ہیں۔ اور اس ادارے کی بدولت نوربخشیوں کے گھروں میں نوربخشی لٹریچر کی کسی حد تک موجودگی کا احساس ہوتا ہے

۹۰-۱۹۸۹ء کے دوران مرکزی انجمن نوربخشیہ نے تصنیف و تالیف اور تحقیق و تنقیح کیلئے ایک الگ شعبے کے قیام کا اعلان کیا اور نوربخشی علماء کے ایک منتخب گروہ کو اس کام پر لگانے کا فیصلہ ہوا۔ لیکن عبارات ذیل پڑھیے اور سر پیٹ لیجیے کہ اس شعبے کا راقم السطور کو سیکرٹری مقرر کرنے کا اعلان ہوا۔ اس دن سے آج تک مجھے نہ کوئی تحریری اطلاع دی گئی نہ کوئی کام دیا گیا حتیٰ کہ مجھے یہ بھی علم نہیں کہ اس کا کوئی دفتر ہے یا اس کے کون کون ارکان ہیں۔ تاہم یہ بڑی خوش آئند بات ہے کہ ندوۃ اسلامیہ، انجمن نوربخشیہ کراچی، اور انجمن محمدیہ اسلام آباد کبھی کبھی سہی، نشر و اشاعت کتب میں نیم دلی کے ساتھ کوشاں ہیں۔ اور کئی ایک کتابیں شائع کر چکے ہیں۔ نیز راقم الحروف بھی اس دوران مصروفِ کار رہا ہے۔

کچھ اپنے بارے میں

غالباً یہ ۱۹۷۸ء کی بات ہے کہ موضوع تمسک میں یلادم وصال نوربخش کے سلسلے میں جلسہ عام تھا۔ رات کو علماء اور زعماء نے مختلف امور پر غور و خوض کے بعد یہ طے پایا کہ کوئی شخص ترجمہ یا کتاب شائع کرنا چاہے تو شوریٰ نوربخشیہ کے علماء مسودہ پڑھ کر تصدیق کریں گے۔ اس طرح راقم کو ''اوراد امیریہ'' کی اشاعت کیلئے کئی باران علماء کے ہاں چکر لگانا پڑا۔ مگر انہوں نے مسودہ پڑھنے اور تصدیق کرنے میں میرا بہت سا وقت ضائع کر دیا۔ پھر بھی کسی نے مسودہ پڑھنے کی زحمت گوارہ نہیں کی۔ اور پھر میں نے اسے شائع کر دیا۔ پھر میں نے شاہ ہمدان کے ذکریہ کا مسودہ اور میرے بھائی محمد رضا صاحب نے شیخ نجم الدین کبریٰ کے کا مسودہ پیش کیا۔ کئی مہینوں کے بعد میں اپنا مسودہ بلا کسی تصدیق و توثیق حاصل کرنے میں کامیاب ہوا۔ مگر بھائی صاحب کو علماء نے ایک حدیث، جزوی ترمیم اور ایک جگہ متن میں قطع و برید کرنے کیلئے دباؤ ڈالا۔ تب سے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ کسی عالمِ دین یا سرکردہ کے سامنے مسودے پیش نہیں کروں گا۔ البتہ اشاعت سے پہلے ہر عالمِ دین کو کسی کتاب کے مسودے کی تکمیل کی اطلاع ضرور دوں گا۔ اگر وہ خود آ کر یا مانگ کر لے جائے اور تصدیق و توثیق کرے تو فبہا ورنہ بغیر کسی تصدیق و توثیق کے چھاپ دوں گا۔ اس ارادے کے بعد نہ کسی نے تصدیق و توثیق کے لئے مسودے طلب کئے۔ نہ کسی نے مشورے ہی دیئے۔ اب تک میں نے میر سید علی ہمدانی کی تصانیف (۱) ذکریہ اور اس کا ترجمہ، عقبات اور سید محمد نوربخش کی کشف الحقائق اور اس کا ترجمہ

مکارم الاخلاق اور اپنی طبع زاد کتاب تاریخ بلتستان شائع کر چکا ہوں جبکہ میر سید علی ہمدانی کی تصنیف (۱) ہمدانیہ (۲) العقبات (۳) وردیہ (۴) تلقینیہ (۵) مرات التائبین (۶) سیر الطالبین۔ اور میر سید محمد نوربخش کی انسان نامہ زیر طبع ہیں۔

موجودہ صورتحال

میں نے گذشتہ صفحات میں یہ لکھنے کی کوشش کی ہے کہ ہمارے بزرگوں نے وقت کی اہم ترین ضرورت کو بروقت محسوس کیا اور انہوں نے اپنے اپنے دور کے اہم ترین مسائل پر خوب لکھا جنہیں ہمارے مخالفین نے مٹانے کی کوشش کی مگر وہ ایسا کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔

اس وقت صورتحال یہ ہے کہ جدید نظام تعلیم کے تحت ہمارے ہزاروں بچے زیور تعلیم سے آراستہ ہو رہے ہیں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں سے ہزاروں بچے پڑھ لکھ کر زندگی کے میدانوں میں قدم رکھ چکے ہیں۔ جنہیں مطالعہ کرنے اور اپنی ذہنی و فکری استعداد بڑھانے کے لیئے قابلِ مطالعہ کتب و رسائل کی شدید ضرورت ہے۔ ہمارے مخالفین لاکھوں روپے خرچ کرکے نہ صرف موٹی موٹی کتابیں ان تک پہنچا رہے ہیں۔ بلکہ بسا اوقات ڈاک خرچ کی مد میں بھی ہزاروں روپے برداشت کر رہے ہیں۔ کسی زیر تعلیم یا فارغ التحصیل نوربخشی کے گھر جائیے آپ کو وہاں ہر قسم کی کتابیں رسالے، پمفلٹ اور اشتہارات وافر مقدار میں نظر آئیں گے۔ لیکن نوربخشیہ مسلک سے تعلق رکھنے کے باوجود کوئی نوربخشی لٹریچر وہاں نظر نہیں آئے گا۔

اس افسوسناک صورتحال پر مسلک نوربخشیہ سے ہمدردی رکھنے والے افراد منہ پیٹ کر رہ جاتے ہیں۔ جبکہ ہمارے علماء، زعماء، اور مختلف تنظیموں سے وابستہ افراد کو لٹریچر کے اس یلغار سے کوئی نہ دلچسپی ہے نہ خوف، نہ احساس زیاں ہے نہ اس کے سدباب کی ضرورت کا احساس ایسا لگتا ہے کہ ان کی ذہنی سوچ ابھی موجودہ تہذیب و تمدن سے بہت پیچھے ہے اور دسویں صدی عیسوی کے پہلے عشرے سے آگے نہیں بڑھی تبھی وہ یہ رٹ لگا رہے ہیں کہ نوربخشیوں کو کتابیں شائع نہیں کرنی چاہئیں۔ اگر کریں تو پیر صاحب کے اجازت کے بعد ایسا کرنا چاہیئے۔

پس چہ باید کرد

مسلک نوربخشیہ کی بقاء و استحکام اور ترقی و نفوذ اسی میں ہے۔ جس مقدس مشن کو ہمارے بزرگوں نے جاری کیا ہے، اور وقت کی جس ضرورت کا بروقت ادراک کرتے ہوئے عوام و خواص کی رہنمائی فرمائی ہے۔ اسے آگے بڑھایا جائے اور تصنیف و تالیف کے عمل کو سنجیدگی سے لیا جائے۔ ذیل میں چند تجاویز پیش کی جارہی ہیں۔

(۱) نوربخشیوں میں اچھے لکھنے والوں کی کمی نہیں ہے۔ لیکن اچھے لکھنے والے اور بہتر ترجمہ کرنے والے کی حوصلہ افزائی نہ ہونے، اپنے تخلیقی کام کے دوران بے جا تنقید اور حوصلہ شکن ماحول کی وجہ سے تھک ہار کر بیٹھ جاتے ہیں۔ اور آہستہ آہستہ گوشہ گمنامی میں چلے جاتے ہیں۔ اور قوم ایسے باصلاحیت افراد کی تخلیقات سے محروم رہ جاتی ہے۔ انہیں ایک پلیٹ فارم پر جمع کیا جائے۔ شعبہ تصنیف و تالیف کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے۔ جس کی سربراہی اور عہدے ایسے افراد کو سونپ دیئے جائیں جو کام کرنے والے اور باصلاحیت ہوں۔ محض "بڑے" ہونے یا بارسوخ ہونے کی بنا پر کسی کو نہ عہدے دیئے جائیں، اور نہ ہی سربراہ بنا دیا جائے۔ اس بورڈ کو اخراجات کے لئے مرکزی انجمن نوربخشیہ فنڈ مہیا کرے۔ اور اس فنڈ کو ایک ٹرسٹ کی صورت دے کر کام چلایا جائے۔ (واضح رہے کہ مرکزی انجمن نوربخشیہ کے پاس لاکھوں کا فنڈ موجود ہے۔ جو قوم کی امانت ہے۔ جس میں غبن اور خورد برد ہونے کے امکان کو رد نہیں کیا جاسکتا اس فنڈ کا نشر و اشاعت دین سے بڑھ کر کوئی مصرف نہیں ہوسکتا۔) اس ٹرسٹ کے تحت کام کرنے والوں کو معقول معاوضہ دیا جائے۔

(۲) کسی کتاب کی اشاعت کے لئے پیر صاحب کی تصدیق و توثیق کی کوئی ضرورت نہیں ہونی چاہیئے۔ کیونکہ اس جمہوری دور میں ہر شخص اپنے افکار و آراء کا خود ذمہ دار ہوتا ہے۔ لیکن جب کسی کتاب کی پیر صاحب توثیق و تصدیق فرمائیں گے۔ تو اس کے مندرجات کا نوربخشی مسلک ذمہ دار قرار پاتا ہے۔ میرے خیال میں کسی بھی کتاب کے مندرجات کی ذمہ داری مؤلف پر ہونی چاہیئے۔ اور اس کے افکار و آراء کا مسلک نوربخشیہ کو جوابدہ نہیں بنایا جانا چاہیئے۔

(۳) بزرگوں کی کتابوں کو اردو اور انگریزی زبانوں میں ترجمہ کرنے اور انہیں شائع کرنے کا بندوبست ہونا چاہیئے۔ بہتر تو یہ ہے کہ مترجم حضرات سے ٹرسٹ نقد ادائیگی کرکے مسودے خریدے یا مترجم خود اسے شائع کرے۔ اور کتاب کی مقررہ جلدیں ٹرسٹ خرید لے اور انہیں فروخت کرنے کا انتظام کرے۔ اس طرح مترجم یا مؤلف کا وقت، سرمایہ اور محنت بچ جاتی ہے۔ موجودہ صورتحال یہ ہے کہ کم از کم مجھے متعلقہ کتاب اور نسخوں کا حصول، پھر ان کی تحریر و تصحیح، پھر ترجمہ، پھر کتاب

پھر پروف ریڈنگ، پھر اشاعت، اور پھر فروخت پر بہت سا وقت اور پیسہ خرچ کرنا پڑتا ہے۔ مختلف اداروں کے بار بار چکر لگانے کے بعد کتاب کی فروخت ایک مسئلہ بن جاتی ہے۔ اور یک مشت ایک بڑی رقم خرچ کرنے اور اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرنے کے بعد زبردست مالی نقصان اٹھانا اور ذہنی پریشانی کا شکار ہونا پڑتا ہے۔

(۴) ہماری مرکزی انجمن سمیت تمام انجمنوں اور تنظیموں کے اغراض و مقاصد میں نشر و اشاعت کی شق موجود ہے۔ مگر عملاً اس پر کبھی عملدرآمد نہیں ہوا۔ ندوۂ اسلامیہ نوربخشیہ نے اس ضمن میں مثبت اقدامات کئے اور کئی کتابیں شائع کی ہیں۔ اسی طرح انجمن نوربخشیہ کراچی کی کارکردگی بھی لائقِ تحسین ہے۔ اب "نوائے صوفیہ" کے عنوان سے انجمن محمدیہ بھی قابلِ قدر خدمات سرانجام دے رہی ہے لیکن ان تمام میں ربط نہ ہونے اور صحیح معنوں میں دیکھ بھال اور جانچ پڑتال نہ ہونے کی وجہ سے ہر رطب و یابس مضامین چھاپ رہے ہیں۔ بہتر یہ ہے کہ ٹرسٹ کے ذریعے انہیں مربوط اور منظم کیا جائے۔

(۵) ہمارے عوام بالکل سیدھے سادے ہیں۔ چنانچہ بعض شاطر قسم کے مصنفین مختلف اداروں کے نام استعمال کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور مسلک نوربخشیہ کا نام استعمال کرکے پیسے بٹور رہے ہیں۔ بعض تو باقاعدہ چندے بھی وصول کرتے ہیں۔ ہر کتاب کے مندرجات کا مصنف خود ذمہ دار ہونا چاہیئے۔ اور کسی کو بھی مذہب کا نام استعمال کرنے اور نشر و اشاعت کے نام پر چندہ اکٹھا کرنے کی ممانعت ہونی چاہیئے البتہ جو آدمی یا اسکالر اچھی کارکردگی دکھائے اس کی حوصلہ افزائی ہونی چاہیئے اور جو ادارہ نشر و اشاعت کے میدان میں اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرے ان کی مالی امداد ہونی چاہیئے۔ اور تصنیف و تالیف کے عمل سے وابستہ اہلِ علم کے ساتھ بھرپور تعاون ہونا چاہیئے۔

نماز راہ سلوک کا سنگِ بنیاد

تحریر: ڈاکٹر گلزار حسین بلغاری اسلام آباد

نماز کی ایک دلنواز صفت یہ ہے کہ دنیاوی حکمرانوں کے علاوہ چھوٹے موٹے رئیسوں نوابوں اور سرکاری افسروں تک رسائی حاصل کرنے کے لئے جو بھاگ دوڑ، منت خوشامد، سفارش اور دوسرے ہتھکنڈے استعمال میں لائے جاتے ہیں ان کی فہرست طویل ہے۔ لیکن رب العالمین اور احکم الحاکمین کے دربار میں حاضر ہونے کے لئے صرف باوضو ہونے کی شرط ہے۔ اس کے علاوہ نماز کی نیت باندھنے میں نہ کسی پیر فقیر سے اجازت حاصل کرنے کی ضرورت ہے نہ کسی حکومت کے قانون کی پابندی لازمی ہے۔ اور نہ کسی خاص جگہ یا مقام کو تلاش کرنے کی ضرورت ہے۔ انسان کے اپنے نفس کے علاوہ عبد اور معبود کے اس راز و نیاز میں کوئی حجاب بیچ میں نہیں آتا۔

عقلی طور پر ہر کوئی مسلمان نماز کی آسائش، اور افادیت کو کشادہ دلی سے تسلیم کر لیتا ہے۔ لیکن عملی طور پر عموماً بڑی محرومی کا شکار رہتا ہے۔ نماز کا وقت آتے ہی اعصاب پر کاہلی، سستی کا ایسا شدید حملہ ہوتا ہے کہ مایوس ہو کر یہ سمجھ بیٹھتا ہے جو رغبت اور شوق سے ادا نہ کی جائے۔ سورۃ النساء کی آیت نمبر ۱۴۲ ، اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو بہت ہی کاہلی اور سستی سے کھڑے ہوتے ہیں۔ صرف آدمیوں کو دکھلانے کیلئے ..... کاہلی سے پہلی مراد اعتقادی ہے طبعی نہیں یعنی نماز کے بارے میں اعتقادی کمزوری نہیں ہونی چاہیئے۔ طبعی کاہلی سے تقریباً کوئی بھی مبرا نہیں۔ کبھی نماز میں دل لگتا ہے کبھی نہیں لگتا۔ کبھی ذہن میں سکون ہوتا ہے، کبھی انتشار، کبھی وساوس کا ہجوم ہوتا ہے۔ کبھی پریشان خیالیاں حملہ آور ہوتی ہیں۔ نماز کے دوران دل میں یکسوئی شاذ و نادر ہی نصیب ہوتی ہے۔ اس سے دل میں کھٹک نہیں ہونا چاہیئے کہ ایسی نماز کا کیا فائدہ جو ایک ٹھینگ پر مشتمل ہو۔ نیت ٹھیک رکھے۔ اور نماز باقاعدہ جاری رکھے۔ ترک کرنے کا نہ سوچے۔ جیسے کہ عمارت کی تعمیر کیلئے ابتداء

میں تو صرف بنیاد مضبوط کرنے کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کے خوشنما ہونے کے پیچھے نہیں پڑتے۔ اس میں روڑے پتھر وغیرہ بھر دیتے ہیں اور بعد میں اس پر بڑے عالیشان محل تعمیر ہوتے ہیں۔ اسی طرح ناقص عمل کی مثال بھی کامل عمل کی بنیاد کے مترادف ہے۔ بنیاد کی خوب صورتی اور بدصورتی پر نظر نہ کی جائے۔ جو کچھ جس طرح بھی ہو سکے کرتا رہے۔ جیسے نماز مجبوراً بھی ہو مگر ہو ضرور۔ یوں وہ ہو جاتی ہے۔ اسی پر عمل کرنے سے نماز کامل کا دروازہ بھی اپنے وقت پر کھلنا شروع ہو جاتا ہے۔

نماز کے دوران وساوس اور پریشان خیالوں کے بارے میں ان کے اختیاری اور غیر اختیاری ہونے کا فرق ضرور محسوس اور معلوم کرتے رہنا چاہیئے۔ جو وسوسے اور خیالات انسان اپنے دل میں خود لاتا ہے انہیں روکنا اس کے اپنے اختیار میں ہے۔ اس اختیار کو استعمال کرنا اس کا اپنا فرض ہے۔ اس اختیار کو استعمال میں لانے کا آسان طریقہ یہ ہے کہ اپنی توجہ نماز کے الفاظ کے معانی کی طرف پھیر دے۔ یا اپنا دل خانہ کعبہ کی جانب مرکوز کرے۔ دل میں دو خیالات بیک وقت سمانے کی گنجائش نہیں ہوتی۔ اس کے برعکس جو وساوس اور انتشارات غیر اختیاری طور پر پیدا ہوں ان کی جانب نہ التفات کرے نہ توجہ دے۔ بلکہ انہیں نظر انداز کر کے ایسے گذر جانے دے جیسے چھلنی سے پانی گزر جاتا ہے۔ وسوسے سے قلب کو خالی کرنے کی طرف متوجہ ہونا یہ خود ایک وسوسہ بن جاتا ہے۔ وسوسہ کی طرف متوجہ ہونا تو اپنے قصد سے ہے گو دفع کا ہی قصد ہو مگر توجہ تو بقصد اور اختیاری ہوئی۔ اس لئے دلدل کی طرح اس میں اور زیادہ دھنسنے کا خدشہ بڑھ جاتا ہے اس کی مثال بجلی کے تار کی طرح ہے کہ اگر دفع کی نیت سے بھی ہاتھ لگایا جائے۔ تب بھی وہ چپٹے گا۔

نماز پڑھنے میں کاہلی بے رغبتی اور وساوس کے بعد اگلی دشواری خشوع کا مسئلہ ہوتا ہے۔ سورۃ البقرۃ آیت ۴۵ اور ۴۶ ....

"اور مدد لو صبر اور نماز سے۔ اور بے شک نماز دشوار ضرور ہے لیکن جن کے قلب میں خشوع ہو ان پر کچھ بھی دشوار نہیں۔ خاشعین وہ لوگ ہیں جو خیال رکھتے ہیں اس کا کہ وہ بیشک ملنے والے ہیں۔ اپنے رب سے اور اس بات کا بھی خیال رکھتے ہیں کہ وہ اپنے رب کی طرف واپس جانیوالے ہیں"

خشوع کا مقصد سکونِ قلب ہے۔ قلب میں سکون اسی وقت ہوتا ہے جبکہ اس میں افکار یا وساوس حرکت نہ کریں۔ دل میں افکار اور وساوس کی حرکت کو روکنا بڑی حد تک ایک اختیاری امر ہے نماز میں یہ تصور کرے کہ خانہ کعبہ سامنے ہے اگر نماز کے الفاظ کی طرف توجہ کرنا آسان ہو تو یہ کرے یا معانی کی طرف توجہ کرے۔ یا اگر حق تعالیٰ کی ذات کی طرف توجہ ہو سکے تو یہ سب سے اعلیٰ ہے۔ توجہ کو اس طرح ادل بدل کرنے میں زیادہ کھود کرید نہ کرے۔ معتدل توجہ کافی ہے۔ اگر اس درجہ کے ساتھ دوسرے وساوس اور خیالات بھی آتے رہے تو مضر نہیں۔ کیونکہ وہ غیر اختیاری ہیں۔ اس سے خشوع میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہم جیسے عامیوں کے لئے اتنا ہی کافی ہے۔

نماز میں کاہلی۔ بے رغبتی۔ وساوس اور پریشان خیالی اور خشوع و خضوع کے ابتدائی مراحل کسی حد تک طے کر لینے کے بعد اس کا اصل مرحلہ رسوخ میں مضمر ہے۔ یعنی نماز کا مقصد قلب کی توجہ کو اللہ کی جانب راسخ کرنا ہے۔ اگر مستقل کوشش اور مجاہدوں کے ذریعے یہ نوبت آ جائے کہ رفتہ رفتہ نماز بلا تکلف پڑھنے کی عادت پڑ گئی ہے تو سمجھ لینا چاہیئے کہ اب اپنی اپنی استعداد کے مطابق کسی نہ کسی درجہ میں رسوخ حاصل ہو گیا ہے۔ رسوخ حاصل کرنے کے لئے اپنے بہت سے طبعی میلانات اور رجحانات کے خلاف مجاہدہ کرنا لازمی ہے۔ جب اپنی طبعی اور نفسانی اور نفسانی رکاوٹوں کے باوجود نماز کا فریضہ روزمرہ کے بندھے بندھائے معمول کے مطابق ادا ہونا شروع ہو جائے تو گمان کر لینا چاہیئے کہ اگر ہم رسوخ کے شہر پناہ میں نہیں تو کم از کم اس کے دروازے پر ضرور کھڑے ہیں رسوخ کا حصول ایک اختیاری امر ہے۔ جو انسان کے اپنے ارادہ سے ہوتا ہے شروع میں ہی اس ارادہ کی نیت کر لینا کافی ہے۔ جب تک اس ارادہ کے برعکس یا برخلاف کوئی عمل سرزد نہ ہو وہ آخر تک لازماً قائم اور برقرار رہتا ہے۔ مثلاً فرض کیجئے کہ کوئی شخص دفتر جانے کے لئے گھر سے نکلا تو کیا وہ ہر قدم پر دفتر کی جانب چلنے کا ارادہ کرے گا؟ ہرگز نہیں۔ بس ایک ہی مرتبہ کا ارادہ کافی ہے۔ اسی کے اثر سے دفتر کی جانب ہر ہر قدم اٹھتا رہے گا۔ اب وہ چل بھی رہا ہے۔ لوگوں سے باتیں بھی کرتا ہے۔ اور مختلف امور کے بارے میں سوچ بھی رہا ہے۔ اس وقت چلنے کی طرف تو اس کا مطلق دھیان نہیں ہوتا۔ لیکن قدم دفتر کی طرف اٹھتا جاتا ہے۔ اسی طرح جب کوشش اور مجاہدہ سے عبادت کے ساتھ کسی قدر رنگی اور لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ تو طبعی طور پر افعال صالحہ صادر ہونے لگتے ہیں۔ اگر عبادت یا نماز کا مجاہدہ کسی دنیاوی غرض سے نہ کیا جائے بلکہ اسی ارادہ سے کیا جائے کہ بے تکلف افعال صالحہ کا صدور ہونے لگے تو وہی مشقت پھر ہر فعل کے معاون و مددگار ہو جائے گی۔ اور رسوخ کامل کا راستہ

باقی صفحہ ۱ پر

سرگذشت سمنانی

بقلم غلام حسن حسنو

نوائے صوفیہ شمارہ نمبر ۶ میں شیخ عبدالرحمن اسفرائنی کی روحانی آپ بیتی نذرِ قارئین کی گئی تھی اب شیخ علاؤالدین سمنانی کی آپ بیتی پیش کی جا رہی ہے جو ان کی کتاب العروہ لاہل الخلوۃ والجلوہ سے ماخوذ ہے

میں سلطان ارغون کا خادم خاص تھا۔ امراء و وزراء کے ساتھ میل جول اور ملازمت میں انہماک کی وجہ سے کبھی کبھی فرائض مثلاً نماز روزہ بھی چھوٹ جاتے تھے اور اپنے پڑھے ہوئے اسباق بھی ایک آدھ بار پڑھنے کی فرصت نہ ملتی تھی۔ اسی دوران اللہ تعالیٰ نے مجھ پر فضل و کرم فرمایا۔ وہ یوں کہ ۶۸۳ھ میں سلطان ارغون اور سلطان احمد کی فوجیں قزوین میں لڑنے لگیں۔ اس وقت میں ۲۴ سال کا جوان تھا۔ میں نے سوچا کہ آج انہیں مزہ چکھاؤں گا اور اپنی بہادری کی دھاک بٹھاؤں گا اور بادشاہ کی خوشنودی حاصل کروں گا۔ ناگاہ ایک غیبی اشارہ ہوا جس نے مجھے مسلمانوں کا کشت و خون کرنے سے ڈرا دیا، میں نعرہ لگا کر لڑنے کو ہی تھا کہ میری آنکھوں کے آگے سے سارے پردے ہٹ گئے اور مسلمانوں کی خانہ جنگی میں کتاب و سنت کے احکامات سامنے آگئے پس میں حیران و مدہوش جنگ سے لاتعلق کھڑا رہا اتنے میں وہ غیبی . . . بھی جا چکا تھا۔ اس کے بعد دنیا اور معاملات دنیا سے میرا دل سرد ہو گیا اور میں نے اپنی فوت شدہ نمازوں کی ادائیگی کا فیصلہ کر لیا۔

میں سلطان ارغون کی ملازمت چھوڑ نہیں سکتا تھا میں نے ہر رات دس روز کی نماز قضا پڑھنا اور پانچ قرآنی آیات یاد کرنا اپنے لئے لازم قرار دیا۔ توجہ کی بے خوابی، کم کھانے اور کم بولنے پر کاربند ہو گیا۔ میں نے سلطان کے محل اور گھر سے کھانا بند کر دیا تھا کیونکہ دونوں جگہ سے مجھے مشتبہ اور حرام اشیاء کی بو آتی۔ گھر والے سمجھتے کہ میں محل سے کھا کر آتا ہوں اور محل والے سمجھتے کہ میں گھر سے کھاتا ہوں۔ اس طرح میں کئی کئی ہفتے بھوکا رہتا اور کبھی کبھی غیب سے رزق حلال مل جاتا۔ اچانک ۱۵ شعبان ۶۸۵ھ

کو میں سخت بیمار ہو گیا اور اطباء میرے علاج سے عاجز آگئے میں نے ملازمت سے چھٹی لی اور رمضان میں یعنی سمنان پہنچا۔ مجھے معلوم ہو گیا کہ بیماری کی اصل وجہ سلطان کی ملازمت اور ناجنس لوگوں کی صحبت ہے۔ اب میں نے اس فرصت کو غنیمت جانا، عبادات کرنے اور علوم شریعت حاصل کرنے میں مصروف ہو گیا اور ابوطالب مکی کی کتاب قوت القلوب کے مطابق تصوف و سلوک کرنے لگا۔ میرے پاس موجود مال اور جائداد جن کے بارے میں مجھے معلوم ہوا کہ کسی اور کا بھی حق ہے میں نے وہ سب انہیں واپس کر دیا

اور باقی چیزوں کو علماء کے فتویٰ کے مطابق صدقہ اور وقف کر دیا جتنے غلام اور کنیزیں تھیں انہیں آزاد کر دیا۔ اپنی بیوی اور اولاد کو ان کے حقوق سے سرخرو کر دیا اور شیخ حسن سکاکی کی نسبت سے خانقاہ سکاکی تعمیر کی۔ اسی طرح چند اور خانقاہیں بھی بنا کر وقف کر دیں اور میں نے لکھ کر دے دیا کہ میری اولاد کو ان اوقاف میں مداخلت کا کوئی حق نہیں۔ میں نے اپنے ایک مخلص ساتھی کو ان خانقاہوں کی تولیت اور جملہ انتظام و انصرام سونپ دیا اور خود ریاضت و مجاہدہ میں مشغول ہو گیا۔

اس دوران شیطان بار بار میرے دل میں وسوسہ ڈالتا۔ کبھی کہتا اہل حقوق کے حقوق دے چکے ہو، اتنی دولت وقف کر چکے ہو اور اس قدر ریاضت کر چکے ہو۔ بہتر ہے کہ بادشاہ سے پھر تعلق جوڑ لو، اور اس جوانی میں مزید جان کو جوکھوں میں ڈالنا عقلمندی نہیں ہے۔ ابھی عمر بہت ہے۔ شیطان کے ایسے وسوسوں سے میں سخت غمگین ہوتا مگر اور بھی ریاضت کرنے لگتا

اور اللہ تعالیٰ سے وسواس شیطان سے بچانے کی التجا کرتا۔

ایک دن شیطان نے یہ وسوسہ ڈالا کہ حدیث نبوی میں ہے کہ میری امت کے ۷۲ فرقے ہوں گے ان میں سے ایک ناجی باقی سب جہنمی ہوں گے۔

ہر فرقہ کا دعویٰ ہے کہ وہ ناجی اور باقی سب ناری ہیں۔ تم کس کی پیروی کرو گے؟ میں نے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں رہنمائی کے لئے فریاد کی۔ اسی وقت میرے دل پر القاء ہوا کہ تمام تر اختلافات کے باوجود یہ امت صرف سات گروہوں میں منقسم ہے جبریہ، قدریہ، معطلہ، مشتبہہ، خارجی، رافضی اور سنی۔ جو گروہ غلو اور تقصیر (افراط و تفریط) سے پاک ہو۔ اسی کی پیروی کرو۔

میں نے غور کیا تو معلوم ہوا کہ جبریہ توحید میں غلو کرتا ہے قدریہ قدرت الٰہیہ میں کمی کرتا ہے، معطلہ تنزیہ میں تجاوز کرتا ہے مشتبہہ شریعت میں بے ادب ہے۔ خارجی بددیانت اور دشمن اہلبیت ہیں۔ رافضی حرم رسول کے بارے میں بدگوئی کرتے اور دشمن صحابہ ہیں۔ مجھے اہلسنت کے چاروں امام اس ابہام کے بالکل موافق معلوم ہوئے۔ پس میں ان کی پیروی کرنے لگا۔ میں نے دیکھا کہ ان کے پیروکار بحث وجدال اور تعصب و عصبیت کی طرف بہت مائل ہیں جس کی وجہ سے میں ان سے بھی بیزار ہوا تاہم ان کی پیروی کو ہی غنیمت جانا اور اللہ تعالیٰ سے یہ امید بھی رکھی کہ وہ مجھے اس مرحلے میں بھی تنہا نہیں چھوڑے گا۔

ناگاہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لازوال فضل وکرم کے ذریعے میرے دل کے پردے اٹھا دیئے۔ میں نے عالم غیب میں ایک واقعہ دیکھا۔ وہاں اہل صفا کا ایک گروہ آ پہنچا جن سے بوئے محبت آتی تھی۔ میں نے انہیں سلام کیا۔ میرے پوچھنے پر بتایا کہ وہ صوفیہ کہلاتے ہیں

جب میں بیدار ہوا تو ان لوگوں کا بیحد مشتاق ہوا اور بڑی بے چینی کے ساتھ انہیں ڈھونڈنا شروع کیا لیکن انہیں کہیں بھی نہ پایا۔ پس مایوس ہو کر میں نے ان کی (صوفیاء) کی کتابیں دیکھنا شروع کیں۔ احوال و اقوال صوفیاء پر مشتمل کتب تصوف کے مطالعے کے دوران میں ان میں لکھی ہوئی باتوں پر عمل بھی کرتا جاتا تھا۔

خلوت و عزلت میں اشغال کی وجہ سے شیطان کو مجھ پر غلبہ کا موقع نہیں ملا۔ اور میرا یہ شوق بھی مزید بڑھ گیا کہ کسی صوفی کی خدمت میں پہنچ جاؤں اور اس کی سیرت و بصیرت کی پیروی کروں۔ میں نے روحانی مراتب کے حصول کے لئے خوب ریاضت و مجاہدہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے لطف وکرم سے نوازا۔ تاہم یہ حقیقت ہے کہ جب تک توفیق خداوندی نصیب نہ ہوتی۔ تب تک مجھے دینی مذہب میں سکون نہیں ملا۔

شروع شروع میں میں نے ہر چیز سے تعلق توڑ کر اللہ تعالیٰ کے رشتہ جوڑ دیا۔ میں صرف حلال روزی کھاتا، عزلت میں بیٹھتا اور روزانہ بارہ ہزار مرتبہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہ بطور ورد پڑھتا تھا ہر شب دس دنوں کی فرض نماز قضاء اور سو رکعت نفل پڑھا کرتا تھا اسی طرح کتب صوفیاء کے مطالعے میں بھی مصروف رہتا تھا۔

یہ وقت بڑا پر آشوب تھا۔ بت پرستوں کا زور تھا اسلامی شہروں میں بت کدے بننے لگے۔ علماء و فضلاء مردار دنیا کی خاطر ان بت پرست حکمرانوں کی خوشامد کرتے پھرتے۔ علمائے اسلام کی اس غیر ذمہ دارانہ حرکت کی وجہ سے اباحت پسند زندیقوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ دینی مدرسوں میں علم، فلسفہ و منطق کو رواج دیا۔ جس کی وجہ سے علمائے کرام کی تحقیر ہوتی تھی۔ غرض کفر و الحاد اور نمود و نمائش کی وجہ سے حق و باطل میں تمیز مشکل ہو گئی تھی۔

میں نے اپنے احباب سے کہہ دیا تھا کہ جو بھی صوفی سمنان آئے اسے میرے پاس لایا جائے ایک بار مجھے اطلاع ملی کہ اخی شرف الدین خراسان سے سمنان آئے ہیں اور بغداد جا رہے ہیں۔ انہوں نے تیس بار حج کیا تھا اور عرصہ سے کعبہ کے مجاور اور صوفیہ کے مجاور تھے میں اسی وقت ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان پر نظر پڑتے ہی مجھے ان کی پیشانی پر جمال و انوار و بیاء نظر آئے اور ان سے انس و محبت کی خوشبو آئی۔ میں نے ان سے مجھے اپنی صحبت میں لینے کی درخواست کی جسے انہوں نے قبول کیا۔ چنانچہ ہم اکٹھے رہنے اور عبادت کرنے لگے۔

ایک دن میں نے دیکھا کہ وہ زور زور سے اپنا سر دائیں بائیں ہلا رہے ہیں۔ میں نے پوچھا تو بتایا کہ ذکر کر رہے ہیں۔ حرکت سر کے ذریعے غیر اللہ کی نفی اور اللہ تعالیٰ کی اثبات کر رہے

تھا۔ میں نے عبادت کا یہ طریقہ سیکھنے کی استدعا کی۔ انہوں نے وہ ذکر اور اس کا طریقہ مجھے سکھا دیا۔ میں نے اپنے معمولات کو چھوڑ دیا اور یہی ذکر کرنے لگا۔ آدھی رات کا وقت ہوا ہوگا میں نے دیکھا کہ میرے سینے سے نورانی شعلے نکل رہے ہیں۔ آنکھ کھولی تو ہر طرف نور ہی نور نظر آیا۔ میں نے سوچا کہ اس ذکر تعلیمی کو ترک کروں مگر ایسا لگا کہ کوئی شخص میرا سر بلا رہا ہے۔ تا آنکہ صبح کی اذان ہوئی اس کے ساتھ ہی وہ نور آسمانوں میں غیب ہو گیا۔ میں نے تجدید وضو کی۔ تحیۃ الوضو پڑھی مجھے محسوس ہوا کہ میرا دل خود بخود نفی غیر اور اثبات حق میں مصروف ہے اور میں دل سے لا الٰہ الا اللہ کی آواز سننے لگا۔ ابھی ہم ایک امام صاحب کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے۔ میں نے دیکھا کہ سامنے سے نور کے چشمے پھوٹتے ان سے نورانی ستارے نکلتے اور میرے قریب آتے ہیں۔ جب امام نے سلام پھیرا میں اخی اشرف الدین کا ہاتھ پکڑ کر انہیں ایک جائے خلوت میں لے گیا انہیں ذکر تعلیمی کے نتائج سے سوائے ستاروں کی آمد کے سب آگاہ کر دیا۔ انہوں نے تبسم فرماتے ہوئے مجھے بشارت دی کہ تم میں کمال کی استعداد موجود ہے اور ہدایت کی کہ اس ذکر پر کاربند رہو تاکہ تم کواکب و انوار بھی دیکھ سکو۔

ان کی یہ بات سن کر مجھے ان کے طریقے کی درستی اور صحت کا یقین ہو گیا۔ میں نے کہا کہ آج نماز کے وقت میں نے چشمۂ نور پھوٹتے اور اس سے ستارے نکلتے دیکھے ہیں۔ انہوں نے یہ سن کر تعجب کیا اور کہا کہ ایسے کئی چلے کاٹنے کے بعد ہوا کرتا ہے۔ آپ کو صرف ایک رات کی ریاضت سے یہ استعداد ملی ہے۔

میں نے سمجھا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے صحیح راستہ دکھایا ہے۔ میں نے اس دن کے بعد اپنے وظائف ترک کر دئے البتہ نماز چاشت اور تہجد پڑھتا تھا۔ میں شرف الدین کے بتائے ہوئے ذکر پر سولہ سال تک عمل کرتا رہا۔ اس دوران میں نے بہت سی عجیب و غریب باتیں دیکھیں اور بہت سے اسرار و رموز مجھ پر منکشف ہوئے۔

میرے پوچھنے پر شرف الدین نے بتایا کہ انہیں یہ طریقہ شیخ عبدالرحمن اسفرائنی نے حجاز مقدس میں سکھایا تھا جن کو یہ ذکر شیخ احمد جوزجانی سے اور انہیں شیخ علی لالا سے ملا تھا۔

ان کے بکثرت مرید ہیں۔ انہوں نے ایک ذکر کے فوائد اور اپنے تجربات سے مجھے آگاہ کیا۔ میں حیران ہوا کہ ان کے دو سالہ تجربات اور میرے کل رات کے تجربے میں کوئی فرق نہیں ہے یہ سن کر مجھے شیخ اسفرائنی سے ملنے کا شوق پیدا ہوا۔

کچھ عرصہ بعد سمنانی اور شیخ عبدالرحمن اسفرائنی کی ملاقات ہوتی ہے اور شیخ الفرائنی کی تربیت سے آپ روحانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جاتے ہیں۔ اور آپ سے کرامات کا صدور بھی ہوتا ہے۔ آپ بیشمار کتب و رسائل کے مصنف اور ان گنت شیوخ طریقت کے مربی و محسن ہیں۔

قارئین سے گذارش ہے کہ معلومات کیلئے ہمارے درج ذیل نمائندوں سے رجوع کریں۔

۱۔ خپلو ______ ماسٹر شکور علی
۲۔ سکردو ______ صدیقی اسٹیشنرز چشمہ بازار سکردو
" غلام مہدی کوروی شاپ نمبر ۱۱ حسین مارکیٹ نیا بازار سکردو
۳۔ گلگت ______ ماسٹر شکور علی انور صاحب
۴۔ کھرکو بلغار ڈغونی ______ ماسٹر غلام نبی ہائی سکول ڈغونی
۵۔ تھلے ______ ماسٹر علیشاہ گانگو کیمپ پرائمری سکول
۶۔ شگر گلاب پور ماسٹر علی محمد ہادی
۷۔ کوروو ______ ماسٹر غلام حیدر
۸۔ سینو تھگس ______ سید زاہد حسین الموسوی مسجد اعظم سینو
۹۔ شگر ______ علی حسین طالب علم الچوڑی
۱۰۔ سرمیک ______ غلام مہدی شاہد سرمیک سپروائزر ایجوکیشن ویلفیئر سنٹر سکردو
۱۱۔ واہ کینٹ ______ محمد علی منور نزد ماڈل اسکول واہ
۱۲۔ مری ______ محمد یوسف خان لوئر بازار مری۔
۱۳۔ لاہور ______ محمد اشرف شاہ نقش کاری
۱۴۔ کراچی ______ محمد عارف، منظور کالونی
۱۵۔ راولپنڈی ______ مشتاق علی، طالب علم
۱۶۔ سلترو سیاچن ______ ماسٹر غلام محمد صاحب سلترو
۱۷۔ کرسیل ______ روز علی شبیری سیکریٹری انجمن فدایان آل محمد سول گرسیل
۱۸۔ کوئٹہ ______ محمد علی غلوی بلوچستان یونیورسٹی

حقیقتِ مذہب صوفیہ

مولوی محمد علی جھوربی اسلام آباد

کتاب تحفۃ الاولیاء مصنفہ حضرت شاہ سید محمد نوربخش قہستانی ؒ میں مرقوم ہے "معلوم ہونا چاہیے کہ صوفیا کا مذہب سید عاقر زد ہے اور حق اور یقین کی راہ ہے جس میں کوئی غلو کمی، زیادت، نقصان افراط اور تفریط نہیں ہے اور جس کے متعلق بھلائی کی شہادت دی گئی ہے لیکن اکثر لوگ بیماریوں اور مصائب میں جا پڑے انہوں نے بڑی بڑی ضخیم کتابیں لکھیں۔ بعض نے بعض پر بہتان لگائے اور بعض نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آل اور آپ کے صحابہ اور آپ کی ازواج اور ان کے بعد کے عارفین کی محبت اور عداوت میں غلو اختیار کیا اور استقامت اور اعتدال کی راہ چھوڑ دی اور اپنی ناقص فہم کی وجہ سے بدعتوں کا شکار ہوئے"

مذہب حق وہ ہے جس کے اصول و فروع آئمہ اہل بیت سے متمسک ہوں اور نص قرآن پر مبنی ہو اور ارشادِ رسول اللہ ؐ انی تارک فیکم الثقلین کتاب اللہ وعترتی واہل بیتی وانا علیہ سنتی سے متضاد اور متصادم نہ ہو۔

واضح ہو کہ احکام شریعت محمدیہ کا صحیح ترین مجموعہ الفقہ الاحوط شیخ معروف کرخی ؒ نے حضرت امام الاصفیا علی بن موسیٰ رضا علیہ وعلی آبائہ والتحیۃ والثنا سے حاصل کیا حضرت معروف کرخی ؒ کے ماں باپ عیسائی تھے جنہوں نے آپ کو رہبانیت کی تعلیم کے لئے ایک پادری کے سپرد کیا۔ آپ ابھی بچے تھے۔ استاد آپ سے کہتا قل ثالث ثلاثہ تو آپ فرماتے۔ بل ھو الواحد۔ اس پر آپ کا استاد سختی کرتا اور مارتا تھا۔ چنانچہ آپ بغداد سے بھاگے اور کرخ پہنچے جہاں امام علی رضا علیہ السلام سے ملاقات ہوئی اور ان کے ہاتھ پر مسلمان ہوئے وتعلم منہ الکلمات ای بناء الاسلام وھی کلمۃ الشہادتین اشھد ان لا الہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہ ورسولہ والصلوٰۃ الخمس وصوم الصیام وزکوٰۃ المال وحج البیت وکلمات بناء الایمان وھی اٰمنت باللہ وملائکتہ وکتبہ ورسلہ والیوم الاخر۔

اور یہی کلمات جو حضرت امام ؑ نے معروف کرخی ؒ کو تعلیم فرمائے مذہب صوفیہ کی اساس اور دین اسلام کی اصل ہیں۔ جناب معروف کرخی ؒ سے علوم شریعت وطریقت سینہ بسینہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی ؒ اور حضرت شاہ سید محمد نوربخش ؒ تک پہنچے تو مرکز الذکر نے اس بیش قیمت روحانی ورثے کو صفحۂ قرطاس پر الفقہ الاحوط اور کتاب الاعتقادیہ کے ناموں سے منتقل کر دیا۔ صوفیا کا یہ عظیم الشان سلسلۃ الذہب یعنی سونے کی زنجیر کہلاتا ہے یہاں یہ کہنا ضروری ہے کہ مذہب امامیہ ان بزرگوں کا منکر ہے اور تصوف، تفویض، توکل، طریقت، تجلی کشف اور بقاء باللہ سب کا انکار کرتا ہے لہٰذا ان بزرگوں کے امامیہ ہونے کا کوئی ثبوت نہیں۔

معذرت

ادارہ نوائے صوفیہ اپنے قارئین سے معذرت خواہ ہے کہ اس بار رسالہ آپ کے پاس تاخیر سے پہنچا۔ رسالے کے مضامین کتابت کے لئے جس کاتب کے حوالے کئے گئے تھے وہ تمام مضامین سمیت لاپتہ ہو گیا اور کاتب کے انتظار میں رسالہ غیر معمولی تاخیر کا شکار ہو گیا۔ یہ انتظار بے سود ثابت ہوا اور چند اہم مضامین اور نظمیں رسالے کی زینت بننے سے رہ گئے

(ادارہ)

صفحۂ سائلین

علامہ محمد بشیر صاحب

اس عنوان کے تحت قارئین کرام کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

اس دفعہ ہم نے ایک اور اہم سوال کا جواب شائع کیا ہے اس کے متعلقہ پہلوؤں کو اجاگر کر دیا گیا ہے۔ تاکہ قارئین کے اذہان میں غیر اسلامی نظریات کے لئے کوئی گنجائش باقی نہ رہے۔

(ادارہ)

سوال۔ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل پیرا رہنا از روئے شرع محمدی کیسا ہے۔

غلام مہدی شاہد سپروائزر، ایدھی ویلفیئر سنٹر سیکر ورہ۔

جواب۔ خاندانی منصوبہ بندی کا بنیادی مقصد ہی چھوٹے خاندان کی شکل میں زندگی بسر کرنا ہے۔ وزارت بہبود آبادی کے ماتحت یہ منصوبہ موضوع بحث چلا آتا ہے۔ یہ منصوبہ دراصل فرنگی استعمار کی ذہنی پیداوار ہے۔ برصغیر میں اسلامی نظریات کے واضح غلبے کی وجہ سے استعماری طاقتوں کو مسلمانوں پر اس رنگین نظریئے کو مسلط کرنے کی جرأت نہ ہو سکی۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ فیلڈ مارشل محمد ایوب خان کے دور میں یہ منصوبہ فیملی لاز آرڈیننس کی شکل میں منظور کیا گیا اور تا حال اس منصوبے پر کروڑوں روپے بے سود خرچ کئے جاتے ہیں۔ اس منصوبے سے ایک طرف تو روزگار کے مواقع فراہم ہوگئے مگر دوسری طرف یہ منصوبہ خالص اسلامی نظریات سے متصادم ہونے کی وجہ سے اہل اسلام کیلئے ہدف تنقید رہا۔

کھوکھلے نعرے

خاندانی منصوبہ بندی پر عمل پیرا رہنے کی طرف عوام کو راغب کرنے کیلئے مختلف قسم کے انعامات بھی مقرر کئے گئے ہیں۔ اس منصوبے کے سرکاری کارکن حضرات مختلف طریقوں سے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کی طرف سے یہ نعرے لگائے جاتے ہیں۔ کم بچے خوشحال گھرانہ۔ چھوٹا خاندان زندگی آسان۔ یہ دونوں نعرے نہایت ہی کھوکھلے پن کے حامل ہیں۔ کیونکہ کم بچے کمزور گھرانے کا باعث بنتے ہیں خوشحالی کا باعث نہیں بن سکتے۔ اس طرح سے چھوٹا خاندان کمزور خاندان شمار ہوتا ہے۔ دنیا میں افرادی قوت کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جو ممالک افرادی قوت کے محتاج رہتے ہیں وہ کمزور ثابت ہوتے ہیں۔ انہیں افرادی قوت بیرونی ممالک سے درآمد کرنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ بچے زیادہ پیدا ہونے پر اقتصادی بار گراں سے دوچار ہونے کا واویلا مچانا قطعی طور پر غیر اسلامی نظریہ ہے۔

قرآنی تردید

قرآن مجید میں اللہ پاک نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے کہ!

لَا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ؕ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ؕ

تم تنگدستی کے خوف کی بناء پر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ ہم ہی ان کو رزق دیں گے۔ اور تم کو بھی۔

اس ارشاد باری تعالےٰ سے خاندانی منصوبہ بندی کی کھلے بندوں نفی ہو جاتی ہے۔ دنیا میں عدم سے وجود میں آنے والا ہر ہر مولود اپنی اقتصادی قسمت بھی ساتھ لے کر آتا ہے۔ کیونکہ ہر ذی روح کو اس کے لائق حال رزق کی فراہمی کی ذمہ داری خود رب العالمین نے اپنے سر لے رکھی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا ۔

زمین پر چلنے والے ہر ذی روح کیلئے رزق کی فراہمی کی ذمہ داری اللہ پر ہی ہے۔

قرآنی اعلانات سے صاف صاف ظاہر ہے کہ کثرت اولاد کی وجہ سے مالی مشکلات کا سامنا کرنا والی بات کافرانہ نظریات کی منہ بولتی تصویر ہے اس نظریئے کے حامل اہل کفر و الحاد کے نزدیک رزق کی ذمہ داری حکومت پر عائد ہوتی ہے۔ اللہ کو وہ رازق نہیں سمجھتے۔ لہٰذا انہوں نے حکومت کا بوجھ ہلکا رکھنے کی خاطر شرح پیدائش کو کم سے کم رکھنے کی بے سود تجویز پیش کی۔ جب سے یہ رنگین منصوبہ بنایا گیا ہے تب سے آبادی میں اضافے کی شرح بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ تقدیر ازلی کے مطابق جتنی تعداد میں لوگ عدم

ے وجود میں آنے والے ہیں۔ وہ پیدا ہو ہی جائیں گے۔ اللہ کی پیدائش کو کوئی طاقت روک سکے گی۔ اور نہ ہی کوئی رنگین حیلہ سازی۔ لہٰذا اسلامی حکومتوں کو چاہیئے کہ وہ زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب دے کر افرادی قوت برآمد کرنے والے طاقتور ممالک بن جائیں نہ کہ افرادی قوت درآمد کرنے کی ضرورت پڑنے والے کمزور ممالک کا روپ دھاریں۔ افرادی قوت ہی سے مملکت کا دفاع ناقابلِ تسخیر بن جاتا ہے۔

کثرت اولاد کی ترغیب

افرادی قوت چونکہ طاقت کا سرچشمہ ثابت ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے رحمت العالمین لقب پانے والے آخری نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے زیادہ سے زیادہ اولاد پیدا کر کے امت محمدیہ کا دائرہ نفوس بڑے سے بڑا بنانے کی ترغیب دی ہے۔ احادیث نبویہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور اکرم علیہ الصلوٰۃ والسلام قیامت کے روز اپنی امت کی بڑی تعداد پر فخر کریں گے چنانچہ آپ نے ارشاد فرمایا۔

تم خوب محبت گزار اور زیادہ اولاد پیدا کرنے والی عورت سے شادی کیا کرو۔

ح۔ معلوم ہوا کہ خاندانی منصوبہ بندی پر عمل پیرا رہنا پیغمبرِ رحمت علیہ الصلوٰۃ و السلام کے ارشادِ گرامی کا مضحکہ اڑانا ہے کیونکہ آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے زیادہ سے زیادہ بچے پیدا کرنے کی ترغیب یوں بھی دی ہے

تم شادی کیا کرو، افزائش نسل کرو اور کثیر تعداد بن جاؤ

چند مجبوریاں

(۱) اولاد والی کوئی عورت جسمانی لحاظ سے انتہائی کمزور ہو گئی ہو اور وہ مزید اولاد پیدا کرنا اپنے لئے موت کے مترادف سمجھتی ہو۔ تو صرف جسمانی صحت کے پیش نظر پیدائش کا سلسلہ ختم کیا جا سکتا ہے۔ اور ایسا کرنا صرف مذکورہ نقطہ نگاہ سے جواز کا درجہ رکھتا ہے۔ اگر کثرتِ اولاد سے گریز مقصود ہو تو ایسا کرنا جائز نہیں ہوگا۔

(۲) بار بار کے بڑے آپریشن کی وجہ سے اولاد والی کوئی عورت جسمانی لحاظ سے اس حالت کو پہنچ گئی ہو کہ مزید اولاد پیدا کرنے سے اس کی طاقت جواب دے چکی ہو تو ایسی صورت میں حمل کا سدِ باب کیا جا سکتا ہے۔ یہاں بھی اگر کثرتِ اولاد کی وجہ سے ایسا کرنا مقصود ہو تو ناروا ہوگا۔

(۳) زچہ اور بچہ دونوں کی صحت کے پیشِ نظر پیدائش میں وقفہ پیدا کرنے کی غرض سے مانعِ حمل گولیوں وغیرہ کا استعمال درست ہوگا۔

بموجب شریعت محمدیہ میں عزل کے جواز کا جو ذکر آیا ہے اس کا منشا بھی درحقیقت پیدائش میں وقفہ پیدا کرنا ہے۔ بعض حضرات عزل کے جواز کو خاندانی منصوبہ بندی کے جواز پر بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ سرے سے درست نہیں ہے کیونکہ عزل کا مقصد پیدائش میں وقفہ پیدا کرنا ہے۔ نسل کو محدود بنانا ہرگز نہیں جبکہ خاندانی منصوبہ بندی کا مقصد ہی نسل کو محدود بنانا ہے۔ امید ہے کہ محترم غلام مہدی شاہد صاحب اپنے سوال کے تسلی بخش جواب سے مطمئن ہو جائیں گے۔

بقیہ :- نماز راہ

وا ہو جائیگا۔ یہی استقامت سب سے بڑی کرامت ہے۔ جس پر اللہ کی رحمت اور رضا کا سایہ ہر وقت چھایا رہتا ہے۔ ایسے لوگ مستجاب الدعوات ہوتے ہیں۔ ان کا ارادہ بھی دعا بن جاتا ہے۔ ان کی خواہش بھی دعا ہوتی ہے۔ چونکہ ان کی اپنی خواہشات صفر کے برابر ہو گئی ہوتی ہیں۔ اس لئے ان کی دعائیں ان کے ارادے اور ان کی خواہشیں زیادہ دوسروں کے لئے ہوتی ہیں۔ جن پر قبولیت کا فضل وارد ہوتا ہے۔ اپنی ذات کیلئے ان کی صرف ایک ہی دعا اور خواہش ہوتی ہے۔ وہ حسنِ خاتمہ کی ہوتی ہے۔

نماز میں رسوخ کے بعد اگلی منزل اللہ کے ساتھ نسبت قائم کرنے کی ہے نسبت ایک تعلق اور لگاؤ ہے۔ جو دونوں طرف سے ہوتا ہے۔ بندہ کو خدا سے اور خدا کو بندہ سے۔ اسے نسبت باطنی کہتے ہیں۔ رسوخ میں جسقدر ثبات اور توانائی بڑھے گی نسبت میں اسی رفتار سے استحکام اور لطافت کو فروغ حاصل ہوگا۔ باطنی نسبت معرفتِ الٰہی کا دریچہ ہے۔ حقیقی نسبت کی پہچان یہ ہے کہ حاصل ہونے کے بعد پھر زائل نہیں ہوتی۔ جیسے پھل پک کر کچا نہیں ہوتا۔ نسبت کا تعلق باطن سے ہے۔ جو کہ انسان کے ظاہر کی چار دیواری میں مقید رہتا ہے۔ اصل منزل مقصود حق تعالیٰ کا راضی کرنا ہے۔ جس کا ذریعہ شریعت کے احکام کی پابندی ہے۔ ان احکام میں بعض ظاہر کے متعلق ہیں۔ جیسے نماز۔ روزہ۔ زکوٰۃ۔ حج۔ لین دین۔ شہادت۔ وصیت۔ وراثت اور دیگر جملہ حقوق العباد اور بعض باطن کے متعلق ہیں جیسے حبِ الٰہی۔ حب رسول ﷺ۔ حب اہلبیتؑ۔ خوف خدا۔ یاد خدا۔ تقویٰ اور توکل کو اپنانا اور تمام صغیرہ اور کبیرہ گناہوں کے علاوہ تکبر۔ عجب۔ شک۔ منافقت۔ حسد۔ ریاء۔ مکر۔ فریب۔ جھوٹ۔ بہتان۔ اور غیبت جیسے بے شمار رذائل سے نجات پانا ہے۔ اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت کی راہ پر توازن اور اعتدال سے چلانے سے ہی ظاہر شریعت پر عمومیت کا سفر طے ہوتا ہے۔ اس ظاہر راہ پر مزید سفر کرنے سے ہی وہ راہ سلوک طے ہوتی ہے۔ جس کا مقصد نسبت باطنی۔ نسبت مع اللہ۔ معرفتِ الٰہی اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔

شاہ سیّد محمّد نُوربَخش رح

از مبگو غلام مہدی نوربخشیہ
یوتھ فیڈریشن کراچی

شاہ سید کی کرامت

مرزا شاہ رخ نے جب شاہ سید اور خواجہ اسحاق ختلانی کو قتل کرنے کا حکم دیا تو اس ملعون کے پیٹ میں شدید درد اٹھا۔ اور نہایت لاچار ہوا۔ اور حسب عادت علاج و معالجہ کیا۔ لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔ تو حکیم قوام الدین نے کہا کہ تم نے شاہ سید محمد نوربخش کے قتل کا حکم دیا ہے۔ حالانکہ اس وقت دنیا میں زہد و تقویٰ، علم و ریاضت اور کمالات صوری و معنوی میں اس کا کوئی ثانی نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تمہارے پیٹ میں درد اٹھا ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ اپنے سابقہ حکم کو واپس لے لو۔ مرزا شاہ رخ نے اسی وقت قاصد بھیجا کہ شاہ سید اور خواجہ اسحاق ختلانی کو قید کرکے ہرات لایا جائے۔ اور ان کو قتل نہ کیا جائے۔ اسی وقت اس کے پیٹ کا درد بند ہوگیا۔ اور مرزا حیران رہ گیا۔

خواجہ اسحٰق اور ان کے بھائی کی شہادت

جب مرزا شاہ رخ کا قاصد بلخ پہنچا۔ اور اس وقت خواجہ اسحاق ختلانی اور شاہ سید بھی پابہ زنجیر بلخ پہنچ گئے تھے۔ اور مرزا شاہ رخ کے حکم کے مطابق خواجہ اور ان کے بھائی کو بلخ میں بے دردی سے شہید کر دیا گیا اور خواجہ کے مریدوں پر اس وقت قیامت برپا ہوئی۔ آپ نے شاہ سید کے دست مبارک پر بیعت کرتے وقت فرمایا تھا! سر جان کی بازی لگا دیں گے اور کبھی منہ نہ پھیریں گے۔ چنانچہ آپ اپنے قول پر پورا اترے اور شاہ سید پر دونوں بھائی قربان ہوئے۔

اس کے بعد مرزا شاہ رخ کا دوسرا قاصد خواجہ کی شہادت کے فوراً بعد پہنچا۔ اور شاہ سید شہید ہونے سے بچ گئے۔ اور آپ کو مرزا شاہ رخ کے حکم کے مطابق پابہ زنجیر ہرات لایا گیا اور اختیار الدین کے حوالے کیا۔ اختیار الدین نے آپ کو ایک اندھیرے کنویں میں بند کر دیا۔ کچھ مدت کے بعد اس کنویں سے باہر نکالا گیا۔ اور زنجیروں میں جکڑ کر شیراز بھیج دیا۔ اور ایک مدت تک بہبہان میں آپ کی نگرانی ہوتی رہی۔ اور بہبہان   کے قریب ایک مقام ہے۔ پھر کچھ مدت بعد گورنر شیراز محمد ابراہیم نے حکم دیا کہ آپ کے پاؤں سے بیڑیاں اتار دی جائیں اور آپ کو آزاد کر دیا جائے۔ اور آپ جہاں بھی جانا چاہیں جانے دیا جائے۔

کردستان میں آپ کی حکومت

آپ قید سے رہا ہونے کے بعد شیراز سے شوستر اور بصرہ چلے گئے۔ اور   میں قیام کیا۔ لوگوں نے شاہ سید کی خدمت گزاری شروع کی۔ پھر آپ وہاں سے بغداد کی طرف تشریف لے گئے۔ کربلائے معلّٰی متبرک مقامات کی زیارت کی۔ اور امام حسینؑ کے روضۂ مبارک پر حاضری دی۔ اور دین حق کے لئے دعائیں مانگیں شاہ سید کی دعا مستجاب ہوئی اور جب آپ کردستان تشریف لائے تو کردستان میں خیلی اور بختیاری قبیلے اور ان کے علاوہ اور بھی بہت سارے لوگ شاہ سید کے حلقہ ارباب میں داخل ہوگئے۔ اور محبت، خدمت گذاری، عقیدت کا وظیفہ بھی لائے۔ اور امرا و اکابرین بھی فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کی راہ پر چلنے لگے۔ بڑی مدت تک آپ کے نام کا سکہ جاری رہا۔

دوسری بار گرفتاری

شاہ سید کچھ عرصہ کردستان میں حکومت کرتے رہے اس کے بعد آپ گیلان تشریف لائے اور پھر کردستان واپس تشریف لے گئے۔ اس وقت مرزا شاہ رخ آذربائیجان میں تھا جب اس کو آپ کے واپس آنے کی خبر پہنچی اور آپ کے گرد لوگوں کا ہجوم دیکھا تو اسے جکڑ

لاحق ہوا۔ اور مرزا نے کردستان کو یہ کہہ کر روانہ کیا کہ جہاں بھی شاہ سید اور ان کے پیروکار لوگ مل جائیں۔ ان کو گرفتار کر کے میرے دربار میں پہنچا دو۔ جب مرزا شاہ رخ کے کارندے آپ کو گرفتار کرنے آئے تو شاہ سید خلخال کی طرف چلے گئے۔ لیکن آپ کو گرفتار کیا گیا۔ اور مرزا کے دربار میں لایا گیا۔ مرزا نے دربار میں آپکو ڈرایا دھمکایا۔ جب شاہ سید کو معلوم ہوا کہ مرزا آپ کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ تو آپ اکیلے وہاں سے فرار ہو گئے۔ اور تین راتیں برف پوش پہاڑوں میں گزاریں۔ اور پہاڑوں سے کسی آبادی کا راستہ نہ ملا۔ تو آپ پھر وہاں سے خلخال کی طرف چلے آئے۔ خلخال کے گورنر نے آپ کو تیسری مرتبہ گرفتار کر کے شاہ رخ کے دربار میں بھیج دیا۔ مرزا نے حکم دیا کہ ان کو اندھیرے کنوئیں میں قید کر دیا جائے۔ تقریباً دو مہینے بعد آپ کو کنوئیں سے باہر نکالا گیا۔ اور زنجیروں میں جکڑ کر ہرات بھیج دیا گیا۔ مرزا نے حکم دیا کہ جمعہ کے دن منبر پر چڑھ کر اعلان کر دے کہ میں حکومت کا مدعی نہیں ہوں۔ اس مطالبہ پر بڑا زور لگایا۔ چنانچہ حضرت شاہ سید محمد نوربخش رح پا بہ زنجیر منبر پر تشریف لائے اور فرمایا۔۔۔۔۔۔

لوگ اس فقیر کے متعلق کچھ باتیں کہتے ہیں۔ میں نے وہ باتیں بالکل نہیں کی ہیں۔ بہرحال میں کہتا ہوں کہ ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اگر تو نے ہمیں نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ کیا تو ہم خسارہ اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔ اس کے بعد آپ سورۃ فاتحہ پڑھ کر منبر سے نیچے اتر آئے۔ اس کے بعد جمادی الاول ۸۴۰ھ میں آپ کے پاؤں سے بیڑیاں اتار دی گئیں۔ اور مرزا شاہ رخ نے یہ شرائط پیش کیں۔

(۱) اپنے پاس لوگوں کو جمع نہ ہونے دیں۔

(۲) آپ سیاہ پگڑی نہیں باندھ سکتے۔

(۳) درس کی مجالس میں طریقت کی تلقین نہیں کر سکتے۔

(۴) آپ صرف (ظاہری علوم) رسمی علوم کا شغل اختیار کر سکتے ہیں۔

ان احتیاطی تدابیر کے باوجود مرزا شاہ رخ کو کوئی فائدہ نہ پہنچا۔ اور شاہ سید کا اثر و رسوخ روز بروز بڑھتا گیا۔ اور تقریباً ایک لاکھ کے قریب لوگوں نے آپ کے دست مبارک پر بیعت کر لی۔

تیسری بار گرفتاری

مرزا شاہ رخ کو شاہ سید کے پیروکاروں کے ہجوم اور عقیدت مندوں کو دیکھ کر خطرہ محسوس ہوا۔ اور آپ کو تیسری مرتبہ ماہ رمضان میں گرفتار کیا۔ اور زنجیروں میں جکڑ کر تبریز بھیج دیا۔ اور حکم دیا کہ حاکم تبریز انہیں روم پہنچا دے۔ حضرت شاہ سید جب روم پہنچے تو آپ کے پاؤں سے بیڑیاں اتار دی گئیں۔ اور آپ وہاں سے شیروان چلے گئے۔ اور کچھ مدت وہاں قیام فرمایا۔ اور وہاں سے مرزا شاہ رخ کو خط لکھا۔

مرزا شاہ رخ کے نام خط

بسم اللہ الرحمن الرحیم ؕ

(حوالہ طبقات نوریہ)

خدا تعالیٰ کی حمد اور اس کے نبی ؐ و آل پر درود کے بعد اس سال کی مدت گزر رہی ہے۔ تم اس عاجز کی ایذا رسانی میں انتہائی کوشش کر رہے ہو۔ تین بار قید کیا ہے۔ اور دو مرتبہ کنوئیں میں بند کیا۔ اور تقریباً ہزار فرسخ کا فاصلہ تم نے مجھ کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پھرایا۔ اور اب تمہاری آخری عمر ہے۔ تمہاری بادشاہی کا زمانہ ختم ہونے کو ہے۔ اب بھی تم اس فکر میں ہو کہ اس فقیر کو پکڑ کر قید کر دو۔ اور کشف والوں کے نزدیک اب یہ ناممکن ہے۔ کیونکہ دیدہ وروں نے قید تین مرتبہ ہی دیکھی ہے۔ اور جاننے والوں نے جانا ہے اب امید ہے کہ تم اپنے کئے پر پشیمان ہو گے۔ اور خدا سے بخشش کی دعا مانگو گے۔ اس سے زیادہ خاندان محمد پیغمبر ؐ کی ایذا رسانی اور تکلیف دہی کی کوشش مت کرو۔

منکم

محمد نوربخش

اس کے خط کے پہنچنے کے بعد بد نصیب مرزا شاہ رخ ایک سال کے اندر اس دنیا سے تقریباً ۸۵۰ھ میں کوچ کر گیا۔ اور شہر بلخ میں دفن ہوا۔

ایک اور کرامت

جب شیخ محمد غیبی کو شاہ سید کے بارے میں سنا گیا کہ اہل عراق اور گیلان میں آپ کی شہرت ہو رہی ہے۔ اور گیلان میں لوگ جوق در جوق آپ کے ہاتھ پر بیعت کر رہے ہیں۔ اور ان شہروں سے آپ کے پاس جمع ہو رہے ہیں۔ شیخ کے دل میں جذبہ پیدا ہوا اور وہ گیلان کی طرف متوجہ ہوئے۔ جب وہاں پہنچا تو انہوں نے دیکھا کہ اطراف عرب و عجم سے لوگ شاہ سید کی خدمت میں دھڑا دھڑ پہنچ رہے ہیں ان کا ریاضت و اعتکاف کو دیکھ کر اپنے آپ کو اس قابل نہ پایا اور

ایک گوشہ میں بیٹھ گئے۔ مدت کے بعد ایک دوست سے ملاقات ہوئی جو پہلے سے شاہ سید کا مرید تھا۔ دوست سے کہا کہ اگر تم ایک سال یہاں بیٹھ کر انتظار کرو تو بھی تجھے خدمت کا موقع نہ مل سکے گا۔ ہاں ایک بات ہے میں آپ کی زبان مبارک سے سُنا ہے کہ آپ نے فرمایا!

"جو بھی آدمی مجھے مرزا شاہ رخ کی موت کی خبر پہلے سُنائے گا تو میں اس کو بغیر کسی خدمت کے مطلوب و مقصود حقیقی تک پہنچاؤں گا۔ شیخ محمد غیبی نے جب یہ بات سُنی تو اس کو آسان سمجھا اور اسی وقت اپنا سامان اٹھایا اور (ماوراء النہر) آذربائیجان کی طرف روانہ ہوئے تاکہ اس بدنصیب کی موت کی خبر آپ تک پہنچائے۔ اور اس شہر میں پہنچ کر اس کی موت کا انتظار کرنے لگے۔ ایک دن شیخ نے سُنا کہ مرزا شاہ رخ کا انتقال اور دفن ہو گیا ہے۔ اسی وقت شیخ بلخ سے تیزی کے ساتھ گیلان کی طرف روانہ ہوئے۔ اور دو تین منزلوں کو ایک منزل بنا کر شاہ سید کی مقدس خانقاہ میں پہنچ گئے۔ گھوڑے سے اُترے اور سلام عرض کرنے کے بعد اس بدانجام مرزا شاہ رخ کی موت کی خبر پہنچا دی۔

شاہ سید نے یہ خوشخبری سُنتے ہی پوری بشارت سے اس لائق ولایت کے چہرے پر شفقت اور رحمت کی نگاہ ڈالی اور شیخ مجذوبین میں شامل ہو گئے۔

اقبال ؒ ؎ نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں۔

اور اسی روز شاہ سید نے شیخ محمد غیبی کو بیعت لینے اور توبہ کرنے والوں کی رہنمائی کرنے کی سند عطا فرمائی اور شیخ کو وہاں سے رخصت کر دیا۔

حضرت شاہ قاسم فیض بخش کو راہِ طریقت اور بیعت لینے کی سند

شاہ سید نے آخری عمر میں بیت الحرام کی زیارت کا ارادہ فرمایا تو طالبان حق اور راہِ طریقت کی راہنمائی اور بیعت لینے کے لیے حضرت شاہ قاسم فیض بخش کو سند عطا فرمائی اور لکھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ۔

سلام کے بعد حسب تمام اقطاب افراد ابدال ابرار و رجال اللہ، سادات، قطب الدین فیضیاب، اور عوام خواص اور حضرت سردار دو جہاں کی اُمت میں مخصوص ہے۔

اطلاع دی جاتی ہے کہ آنکھوں کی ٹھنڈک اور میرا فرزند شاہ قاسم فنون ادبیہ و شرعیہ اور حکمیہ ریاضت لطائف اور انوار و تجلیات اور آداب طریقت و معرفت و حقیقت میں پوری رکھتا ہے۔ اور اس کی بلند ہمت نے یہ تقاضا کیا کہ دنیا کے اور دیدہ لوگ اس کو تلاش کریں۔ اور اس لیے میں نے بھی سفر کا ارادہ کیا اور معنوی اجازت کے بعد میں نے اس کی درخواست کو قبول کیا۔ ......

اللہ اس کی ذات شریف کو بہت سال صحت اور سلامتی کے ساتھ قائم رکھے (آمین)

منکہ ، نوربخش ۔

آپ کی آخری آرامگاہ

شاہ سید محمد نوربخش نے اپنی آخری عمر میں سولغان میں ایک بستی آباد کی۔ اور مریدوں کی خاطر وہاں ایک باغ لگایا، اور سولغان میں نکاح کیا، اور حضرت شاہ قاسم، سید جعفر، امیر سعد الحق پیدا ہوئے تھے بقیہ زندگی حضرت شاہ سید نے عبادت الٰہی اور ارشاد و تصفیہ قلبی میں گزاری۔ اور جب آپ نے بیت الحرام کی زیارت کا ارادہ فرمایا۔ تو طالبان راہِ طریقت کی راہنمائی اور بیعت لینے کی سند حضرت شاہ قاسم فیض بخش کو عطا فرمائی۔ آپ زیارت حرمین و شریفین سے واپس آنے کے بعد حضرت شاہ سید محمد نوربخش پر اپنے محبوب حقیقی کی یاد زیادہ غالب ہو گئی اور جنت کے خلوت خانہ میں ہمیشہ کے لیے چلہ کشی کی نیت کی۔ بروز جمعرات بتاریخ ۱۴ ربیع الاول ۸۶۹ھ ہجری کو اس جہان فانی سے رخصت ہوئے۔

شیخ محمد مجرلی نے آپ کی وفات پر اور ایام زندگی کو اس طرح فرمایا۔

آفتاب اوج دانش نور چشم اہل دین ...
نوربخش جسم و جان قہرمان ماء و طین
سال عمرش بود ہفت و شصت (۶۷) سال و وفات
شد ہشت صد شصت و نہ با بیش ربیع الاولین
چاردہ ز ماہ و رفتہ پنجشنبہ چاشتگاہ ...
درگزشت از عالم فانی ہماج ہمام العالمین

ترجمہ ، وہ عقلمندی کے آسمان کا سورج اہل دین کی آنکھوں کا نور، جسم و جان کو نور بخشنے والا اور جسم پر غالب آنے والا۔

باقی صفحہ ۳۱ پر

دُنیائے تصوّف کی خبریں

جی ایچ معروفی

پیر نور بخشیہ سید محمد شاہ الموسوی کا اسلام آباد میں خطاب

۱۹ فروری ۱۹۹۳ء کو جامع مسجد صوفیہ نور بخشیہ اسلام آباد میں ایک بڑا اجتماع ہوا جس میں پیر نور بخشیہ سید محمد شاہ اور استاد العلماء سید علی شاہ نے حاضرین سے خطاب کیا۔

پیر صاحب نے اپنے خطاب میں کہا کہ میرے دورے کا اصل مقصد کراچی میں دارالعلوم نور بخشیہ کا معائنہ کرنا تھا ماشاءاللہ یہ مدرسہ بحسن و خوبی چل رہا ہے اس لئے ہمیں اس مدرسے کی ترقی کے لئے تعاون کرنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ کراچی کے دارالعلوم کے قیام سے پہلے سکردو اور دیگر مقامات پر جو مدارس کھولے گئے تھے وہ بوجوہ نہیں چل سکے لہٰذا موجودہ مدرسے کا جاری رہنا وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔ اس کے بعد استاد العلماء سید علی شاہ صاحب نے اپنے عالمانہ خطاب میں مذہب صوفیہ کے بنیادی عقائد کی تشریح اور توضیح کی۔ انہوں نے آدم الاولیاء حضرت علیؑ کے روحانی مقام اور مرتبے کا ذکر کرتے ہوئے اس حدیث نبویؐ کا حوالہ دیا جس میں حضور نبی کریمؐ نے اپنی اور حضرت علیؑ کی مثال کو حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی مثال سے مماثل قرار دیا آپ نے کہا کہ جس طرح شریعت میں انبیاء پر اعتقاد رکھنا ضروری ہے۔ اسی طرح طریقت میں اولیاء پر اعتقاد رکھنا بھی ضروری ہے اس کے بغیر کوئی سالک نہ مومن کامل بن سکتا ہے اور نہ راہ طریقت کی منزلیں طے کر سکتا ہے۔

بعدازاں صفہ لائبریری کے افتتاح کے موقع پر علامہ محمد بشیر صاحب نے کہا کہ مذہب صوفیہ نور بخشیہ ہمارے لئے عطیہ خداوندی سے کم نہیں ہے یہ مسلک ہر لحاظ سے اعلیٰ و ارفع ہے مذہب صوفیہ نور بخشیہ کے پیروکار ایک مرشد کامل کے ماتحت ہوتے ہیں یہ مسلک اہل بیعت کا ہے نہ کہ اہل فتویٰ کا۔ بدقسمتی سے ماضی میں کچھ دوسرے فرقوں کے لوگ نور بخشی لبادہ اوڑھ کر اس مذہب میں داخل ہوئے اور اس مذہب کے سادہ لوح عوام کو اپنی اصل تعلیمات سے بیزار کرنے کی مذموم کوشش کی جس کے باعث یہ فرقہ عدم استحکام کا شکار ہو گیا۔ انہوں نے کہا کہ اہم دینی امور میں یک طرفہ فیصلہ مناسب نہیں ہوگا۔ بلکہ اتحاد و اتفاق کو فروغ دینے کی غرض سے تمام نور بخشی علماء کو مل بیٹھ کر مذہبی مسائل پر متفقہ فیصلے کرنا ہوں گے بیرا لفظ



(دائیں سے بائیں جانب) فاچو محمد امین صاحب جنرل سیکرٹری، پیر سوئمہ نور بخشیہ سید محمد شاہ صاحب کو، بابو محمد سلیم صدر، سید علی شاہ صاحب کو اور محمد علی صاحب نائب صدر، سید سعادت جان صاحب کو انجمن محمدیہ اسلام آباد کی جانب سے تحائف پیش کر رہے ہیں۔

فوٹو گرافر: غلام حیدر

کورو سید سعادت جان نے اپنی دعا کو خطابیہ رنگ دیتے ہوئے کہا کہ آج کا دن نہایت مسرت کا دن ہے کیونکہ مذہب صوفیہ کے جوانوں نے اپنی محنت اور لگن سے ایک لائبریری قائم کر کے تعلیم تشنہ طلبے کو دینی اور دنیوی علوم سے متعلق کتابیں پڑھنے کا موقع فراہم کیا ہے۔ دعا کی مقبولیت کے لئے نیت کا صاف ہونا ضروری ہے لہٰذا ہم سب آج خدا کے حضور اسی مذہب حقہ کی ترقی اور کامرانی کے لئے صفائی قلب کے ساتھ دست دعا بلند کرتے ہیں دعا کے بعد یہ تقریب اختتام کو پہنچی۔

اسلام آباد میں
صفّہ لائبریری
کا افتتاح

نوربخشیوں کے روحانی پیشوا سید محمد شاہ الموسوی تبلیغی دورے پر اسلام آگئے تو راولپنڈی اسلام آباد کے ہزاروں نوربخشیوں اور نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن کے پرجوش کارکنوں نے اسلام آباد ایئرپورٹ پر ان کا گرمجوشی سے استقبال کیا۔ جہاں سے پیر صاحب کو ایک بڑے جلوس کی شکل میں اسلام آباد لایا گیا جہاں انہوں نے پیروکاروں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا اس موقع پر این۔ وائی۔ ایف کے عہدیداروں نے ان سے ملاقات کی۔ بعد ازاں پیر صاحب جب کراچی، کوئٹہ اور لاہور کے دورے کے بعد دوبارہ اسلام آباد تشریف لائے تو بعد از جمعہ انہوں نے اپنے مبارک ہاتھوں سے اسلام آباد نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن کی طرف سے قائم کردہ لائبریری کا افتتاح کیا۔ اور لائبریری کا نام صفّہ لائبریری تجویز کیا۔ افتتاحی تقریب میں شریک ہونے والے اہم علماء اور دانشوروں کے نام درج ذیل ہیں:۔

سید علی شاہ صاحب میر واعظ خانقاہ پھرکدا۔ علامہ محمد بشیر الحاج سید سعادت جان۔ اخوند محمد علی، اخوند محمد حسین، سید محمد کاظمی، شیخ سکندر حسین۔ محمد اقبال۔ محمد سلیم۔ کاچو محمد امین، کاچو ناصر۔ کاچو حسین۔ عبدالکریم لائبریرین۔ عبدالعزیز۔ غلام محمد غلام رسول (اسلام آباد) غلام رسول (کریس)

محمد علی شجاع
جنرل سیکرٹری این۔ وائی۔ ایف
اسلام آباد



پیر نوربخشیہ سید محمد شاہ صاحب لائبریری کا افتتاح کرتے ہوئے۔ (فوٹوگرافر غلام حیدر)

دوسری شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس

رپورٹ جی۔ ایچ۔ معروفی

سابق وزیر اعظم محمد نواز شریف نے ۶ جنوری ۱۹۹۳ء کو پرل کانٹی نینٹل ہوٹل، صوبہ سرحد میں دوسری شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اپنے محسن کو یاد رکھنا ایک احسان مند قوم کا شیوہ ہوتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ شاہ ہمدان نہ صرف کشمیر بلکہ پوری امت مسلمہ کے لئے باعث فخر ہیں۔ تاریخی نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تو اقتصادی تعاون کی تنظیم (ای۔سی۔او) شاہ ہمدان کے خوابوں کی تعبیر ہے۔ اس میں پاکستان، ایران، ترکی، افغانستان، کے علاوہ وسطی ایشیا کی سات ریاستیں شامل ہو گئی ہیں۔ انہوں نے کہا شاہ ہمدان جہاں بیٹھے تھے۔ وہاں سے عوام حقوق حاصل کرنے کیلئے اٹھ کھڑے ہوئے ہیں۔ جہاں شاہ ہمدان سو رہے ہیں وہاں بیداری کی لہر آ گئی ہے۔ کشمیری حریت پسند شاہ ہمدان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہیں۔ ان شاء اللہ سارا کشمیر شاہ ہمدان کے خوابوں کی تعبیر بن کر ابھرے گا۔ انہوں نے کہا کانفرنس میں پڑھے جانے والے مقالوں سے واضح ہو جائے گا کہ شاہ ہمدان عظیم بزرگ تھے۔ نرم دل بھی تھے۔ دریا دل بھی، ان کے کہنے پر کشمیر کے لوگ دیوانہ وار مسلمان ہونے لگے۔ انہوں نے کہا کہ شاہ ہمدان نے اپنے پیروکاروں کو خود کفالت خود انحصاری کی تلقین کی۔ ہم بھی امیر کبیر سید علی ہمدانی کی پیروی کرتے ہوئے گاؤں گاؤں اسکول کھول رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ۱۹۹۴ء میں شاہ ہمدان کا سات سو سالہ جشن پیدائش منایا جائے گا۔ اس کے لئے حکومت پاکستان اپنا کردار بھرپور طریقے سے ادا کرے گی۔ اس موقع پر صدر آزاد کشمیر سردار سکندر حیات خان نے کہا کہ حضرت امیر کبیر سید علی ہمدانی کو بجا طور پر کشمیر میں بانی مسلمان قرار دیا گیا ہے۔ حضرت امیر کبیر نے چودھویں صدی عیسوی میں وادی کشمیر میں اسلام کی تبلیغ کا بیڑہ اٹھایا۔ وہ روحانی پیشوا، مبلغ دین اور صاحب دیوان شاعر تھے۔ انہوں نے سات سو عالم و فاضل ساتھیوں کی مدد سے ۳۷ ہزار افراد کو دائرہ اسلام میں داخل کیا۔ وہ تین بار کشمیر تشریف لائے۔ سردار سکندر حیات خان جو شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس کے سرپرست اعلیٰ بھی ہیں۔ امیر کبیر کی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر تفصیلی روشنی ڈالی۔ صدر آزاد کشمیر نے کہا کہ کشمیر میں صنعت و حرفت کی ترقی پر امن بقائے باہمی فروغ کے لئے شاہ ہمدان نے اہم کردار ادا کیا کشمیر میں ایرانی فنون کو متعارف کرایا۔ انہوں نے کہا کہ علامہ اقبال شاہ ہمدان کے بڑے مداح تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہم نے آزاد کشمیر یونیورسٹی میں شاہ ہمدان شعبہ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ صدر آزاد کشمیر نے کہا کہ جسٹس پیر کرم شاہ کی سرپرستی میں شاہ ہمدان کے نام پر ایک یتیم خانہ قائم کیا گیا ہے اس موقع پر وزیر اعظم کشمیر سردار عبدالقیوم خان نے کہا کہ ایران، تاجکستان اور وسطی ایشیا کی دوسری مملکتوں میں بھی شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنسیں منعقد کی جائیں گی۔ انہوں نے کہا کہ شاہ ہمدان نے تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اپنے اخلاق سے اسلام پھیلایا۔ سردار عبدالقیوم نے کہا کہ امیر کبیر نے مسلمان حکمرانوں کے لئے قواعد و ضوابط مرتب کئے۔ لیکن ہم نے اسلام کی شکل کو تبدیل کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ عالم اسلام کے باہر اسلام کو کسی دوسری نگاہ سے دیکھا جاتا ہے انہوں نے کہا کہ امیر کبیر ایک عظیم صوفی تھے۔ ان کی تعلیمات کو اپنا کر وسط ایشیا سے کشمیر تک مسلمان اخوت و بھائی چارے کی لڑی میں پروئے جا سکتے ہیں۔ اس کانفرنس میں تاجکستان (سابق روس) کے وزیر اعظم عبدالملک عبدالجانوف نے شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس کے موقع پر خصوصی پیغام بھجوایا یہ پیغام تاجکستان کے وفد کے لیڈر پروفیسر سیف الدین اسموف نے فارسی زبان میں پڑھ کر سنایا۔ جس میں شاہ ہمدان کے کارکنوں اور ان کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی۔ تاجک وزیر اعظم کے پیغام میں بتایا گیا کہ تاجکستان میں ۱۹۹۴ء شاہ ہمدان کانفرنس انعقاد پذیر ہو گی۔ جس میں پاکستان اور کشمیر کے زعماء کو بھی مدعو کیا جائے گا۔

تنظیم نوجوانانِ صوفیہ نوربخشیہ سرمیک کا تبلیغی دورہ

تنظیم نوجوانانِ صوفیہ نوربخشیہ سرمیک کی ایک تبلیغی جماعت جس میں سید محمد صاحب میرواعظ سرمیک سید محمد شاہ اطہر صاحب صدر تنظیم ابوالعرفان علی، ماسٹر محمد رضا اور دیگر معزز شخصیات شامل تھیں نے علاقہ کھرمنگ کے موضع پندہ کا تبلیغی دورہ کیا یہاں ایک اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے مقررین نے احیائے تصوف کے لئے شاہ ہمدانؒ کے مشن کو اپنانے پر زور دیا اس جماعت نے مہدی آباد کے ایک گاؤں مرغونگیا میں بھی اہل تصوف سے ملاقات کی اور نماز جمعہ کے لئے ایک خطیب کو سرمیک سے بھیجنے کا فیصلہ کیا تنظیم کے زیر اہتمام موضع پنجو میں واقع مدرسہ فیض بخش کے طلباء کا سالانہ امتحان بھی لیا گیا اور تنظیم کی پندرہ یونٹ کی کارکردگی کا بھی جائزہ لیا گیا۔

سید محمد شاہ اطہر
مرکزی صدر نوجوانانِ صوفیہ نوربخشیہ
سرمیک بلتستان

شاہ ہمدانؒ سٹوڈنٹس فیڈریشن کے سالانہ انتخاب

شاہ ہمدان سٹوڈنٹس فیڈریشن پاکستان کے سالانہ انتخابات یکم فروری ۱۹۹۳ء کو منعقد ہوئے جس میں مندرجہ ذیل عہدیدار چنے گئے۔

(۱) منور حسین حیدری صدر
(۲) محمد ابراہیم جنرل سیکرٹری
(۳) محمد صادق نائب صدر
(۴) محمد اشرف جوائنٹ سیکرٹری
(۵) سکندر اعظم خزانچی
(۶) محمد حسین رابطہ سیکرٹری
(۷) سید علی الموسوی سیکرٹری نشر و اشاعت
(۸) محمد باقر فنانس سیکرٹری
(۹) سید مختار اخبار آفس سیکرٹری

نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن ڈوم سم یونٹ کا اجلاس

نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن ڈوم سم یونٹ کا ایک اہم اجلاس کراچی میں منعقد ہوا جس میں نئے سال کے لئے عہدیداروں کا چناؤ کیا گیا اجلاس سے خطاب کرتے ہوئے نو منتخب صدر ممتاز علی ڈوم سمی نے کہا کہ ... نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن ملت نوربخشیہ کے نوجوانوں پر زور دیا کہ وہ این۔ وائی۔ ایف کے پلیٹ فارم پر جمع ہو کر اپنے حقوق کے لئے جدوجہد تیز کریں۔ نائب صدر یعقوب علی نے رفع اختلاف اور اتحاد و اتفاق پر زور دیا۔ طارق الرحمٰن نے بھی اتحاد کی ضرورت پر زور دیا اور نو منتخب کارکنوں کو مبارک دی۔

یوم ولادت شاہ سید محمد نوربخش قہستانیؒ

۱۵ رشعبان کو بلتستان میں شاہ سید محمد نوربخشؒ اور امام العصرؑ کی یوم پیدائش جوش و خروش سے منائی گئی ضلع گانچھے میں ۶ رفروری کو ڈوغنی میں، ۷ رفروری کو کھرکوہ میں، ۸ رفروری کو خانقاہ معلّٰی خپلو بالا میں اور ۹ رفروری کو خانقاہ چھتنی میں جلسے منعقد ہوئے جن میں لوگوں کی کثیر تعداد نے شرکت کی اور علمائے کرام نے امام مہدیؑ کے فضائل و مناقب اور سید محمد نوربخشؒ کے حالات اور تعلیمات پر سیر حاصل تقریریں کیں۔

۸ رفروری کو بمقام خانقاہ نوربخشیہ خپلو بالا میں منعقدہ جلسہ عام میں مندرجہ ذیل قرارداد منظور ہوئی۔

۱۔ گذشتہ کئی سالوں سے زکوٰۃ کا مسئلہ مسلک نوربخشیہ کے لئے باہم نااتفاقی کا سبب بنا ہوا ہے اور اور ضلع گانچھے میں زکوٰۃ کی تقسیم سے

ایک غیر نوربخشی ممبر کو لیا گیا ہے۔ ہمارا مطالبہ ہے کہ کسی نوربخشی عالم دین کو کونسل کا ممبر لیا جائے۔

۲۔ جناب وزیر اعظم پاکستان سے گذارش ہے کہ جس طرح شمالی علاقوں کے دوسرے اضلاع کے لئے ایک ایک کروڑ کے خصوصی فنڈ مختص کر دیئے گئے۔ دامن سیاچن میں واقع ضلع گانچھے کے لئے بھی یہ رقم مختص کی جائے۔

۳۔ مسلک نوربخشیہ کے پیروکار ملک بھر میں آباد ہیں جبکہ ضلع گانچھے کی نوے فیصد آبادی نوربخشی مسلک سے تعلق رکھتی ہے اس لئے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ اسلامی نظریاتی کونسل میں مسلک نوربخشیہ کو بھی نمائندگی دی جائے۔

۴۔ وزیر اعظم نواز شریف کی حکومت بین الاقوامی سطح پر کشمیر فلسطین اور بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں کا مسئلہ اٹھانے کا جرأتمندانہ فیصلہ کیا ہے ہم اس کا خیر مقدم کرتے ہیں اور اقوام متحدہ اور سلامتی کونسل سے مطالبہ کرتے ہیں کہ منظور کردہ قراردادوں کے مطابق حل کرایا جائے کہ مسئلہ کشمیر کو اقوام متحدہ

۵۔ حالیہ شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس کے موقع پر جناب وزیر اعظم نواز شریف اور وزیر امور کشمیر جناب عباسی صاحب نے ۱۹۹۴ء کو سالِ شاہ ہمدانؒ کے طور پر منانے اور تقریبات کے لئے سرکاری سرپرستی کا اعلان کیا ہے ہم مطالبہ کرتے ہیں کہ شاہ ہمدان کانفرنس بلتستان میں منعقد کرنے کے انتظامات کئے جائیں۔

۶۔ وزیر اعظم جناب محمد نواز شریف نے جامع مسجد نوربخشیہ سکردو کی تعمیر و توسیع کی منظوری دے کر سال ۹۴ - ۱۹۹۳ء کے سالانہ ترقیاتی پروگرام میں شامل کرنے کا حکم صادر فرمایا ہے مگر تا حال تعمیر و توسیع کا کام شروع نہیں ہوا۔ لہٰذا ہم شمالی علاقہ جات کی انتظامیہ سے مطالبہ کرتے ہیں کہ یہ کام فوراً شروع کیا جائے۔

غلام حسنو نوربخش

حشوپی میں یوم ولادت شاہ ہمدانؒ

حشوپی سنگر میں یوم ولادت شاہ ہمدانؒ کے سلسلے میں ایک عظیم الشان جلسہ ۲۴ رجب کو بروز جمعۃ المبارک منعقد ہوا جس کی صدارت سید علی صاحب حشوپی نے کی اور سٹیج سیکرٹری کے فرائض مولوی محسن صاحب نے سنبھالے۔ جلسے سے اخوند رضا، ویپچر بیگ، بابا، سید جلیل اللہ، عبداللہ اخوند، منظاہر علی ہمدانی خصوصی جناب مولوی رسول صاحب اور سید علی صاحب حشوپی نے خطاب فرمایا۔ مقررین نے حضرت شاہ ہمدانؒ کی حیات اور تعلیمات کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی۔ اور ان کے بتائے ہوئے درود وظائف اور تعلیمات پر عمل کرنے پر زور دیا۔ آخر میں اتحاد و اتفاق کی دعا کے ساتھ اس جلسے کا اختتام ہوا۔

منجانب
علی حسین فرد پاشگر

یوچنگپہ حکیم کی وفات

حاجی عبدالحکیم یوچنگپہ ۶ دسمبر ۱۹۹۲ء کو ڈسٹرکٹ ہیڈ کوارٹر ہسپتال سکردو میں رضائے الٰہی سے انتقال کر گئے مرحوم نے مذہب صوفیہ نوربخشیہ کے لئے قابل قدر خدمات سرانجام دی تھیں۔ خدا ان کو جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور پسماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد ابراہیم فیض

نوائے صوفیہ کی مقبولیت

علاقہ کراچی، سکردو، سرمیک، لاہور، سینو، تھگس، کورد مری، ڈغونی، بلغار اور شیگر میں "نوائے صوفیہ" کو بہت پذیرائی ملی اور اس کی تمام کاپیاں ہاتھوں ہاتھ بک گئیں۔ اس سلسلے میں ہمارے نمائندے مبارکباد کے مستحق ہیں۔ ہم ان قارئین کے بھی شکر گزار ہیں جنہوں نے "نوائے صوفیہ" کے مستقل خریدار بننے کا فیصلہ کر کے ہماری حوصلہ افزائی کی ہے خپلو سے ہمارے نمائندے جناب فدا علی مثر وقیچ کا تبادلہ ہو جانے کی وجہ سے قسط نمبر ۶ قارئین تک نہ پہنچ سکی اور انہیں مایوس ہونا پڑا۔ اگلے شمارے کے لئے ہم نے وہاں بھی نمائندے کا انتظام کر لیا ہے قارئین کی طرف سے بہت سارے ایسے خطوط موصول ہوئے ہیں جس میں "نوائے صوفیہ" کو ماہنامہ بنانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ یہاں ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے

ہیں کہ اس ابتدائی مرحلے میں ہمارے نمائندے ہر علاقہ میں موجود نہیں ہیں۔ بلتستان کے دور افتادہ علاقوں میں نمائندوں کی اشد ضرورت ہے بیرونی علاقوں سے رسالے کی قیمت پہنچنے میں بہت دیر لگتی ہے۔ اسی لئے تمام نمائندوں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ رقم جلدی پہنچانے کا اہتمام کریں گے تاکہ نوائے صوفیہ کو ماہنامہ بنانا ممکن ہو سکے۔

تانگیر میں نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن کا قیام

وادئ تانگیر کے علاقہ حشوپی میں نوجوانانِ اہلِ تصوف نے اپنی تنظیم قائم کرلی ہے اس تنظیم نے چند اہم کام کئے خانقاہ معلی حشوپی کی مرمت کرکے والان کو وسعت دی ہے۔ اس سال حشوپی میں شاہ ہمدان رح کا یوم ولادت منایا گیا اور ۱۰ شعبان کو غوث المتاخرین شاہ سید محمد نوربخش ؒ کے یوم ولادت کے سلسلے میں بھی جلسہ عام کا اہتمام کیا گیا جس میں علمائے کرام نے شاہ سید ؒ کے حالات اور تعلیمات پر روشنی ڈالی۔ جن علمائے کرام نے اپنے خیالات سے نوازا۔ ان کے اسمائے گرامی یہ ہیں۔ مولانا علی محمد ہادی حجۃ الاسلام آغا سید علی، مولانا خادم حسین پندوی، مولانا حق نواز، آغا الیاس، مولانا غلام رسول، اخوند شکور، آغا مرتضیٰ اور سیر نوربخشیہ تانگیر جناب سید محمد تانگری۔ طالب علم یوسف نے ہدیۂ عقیدت پیش کیا۔

غلام مہدی تانگری

سیکرٹری نوربخشیہ یوتھ فیڈریشن تانگیر

مفتیٔ اعظم نوربخشیہ کا دورہ اسلام آباد

مفتیٔ اعظم نوربخشیہ بلتستان جناب مولانا محمد عبداللہ صاحب نے پچھلے دنوں اسلام آباد کا دورہ فرمایا۔ انہوں نے اہلِ تصوف سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ صبر و تحمل کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔ انہوں نے علماء کرام پر بھی زور دیا کہ وہ صوفیائے کرام کی تعلیمات اور کتابوں میں ترمیم و اضافے سے گریز کریں۔ منتظمین انجمن و دانشوروں کی ایک بڑی تعداد نے مفتی صاحب سے ملاقات کرکے ان کے زریں خیالات سے استفادہ کیا۔

حضرت علیؑ کا یوم شہادت

آدم الاولیاء حضرت علیؑ کا یوم شہادت ۱۶ مارچ کو جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد میں نہایت عقیدت اور احترام سے منایا گیا۔ قرآن خوانی کے بعد مسجد کے نائب خطیب مولانا محمد انور نے حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ کی سیرت طیبہ کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور ان کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے پر زور دیا

جی ایچ معروفی

تنظیم فلاح و بہبود نوجوانانِ صوفیہ نوربخشیہ سرمک کا سالانہ انتخاب

یکم جنوری ۱۹۹۳ء کو تنظیم فلاح و بہبود نوجوانان صوفیہ نوربخشیہ سرمک رجسٹرڈ کا ایک اہم اجلاس ہوا جس میں تنظیم کی سابقہ کارکردگی اور آئندہ لائحہ عمل کے سلسلے میں تفصیل سے غور و خوض کرنے کے علاوہ ۹۴-۱۹۹۳ء کے لئے درج ذیل عہدیداروں کو متفقہ طور پر منتخب کیا گیا۔

۱۔	سید محمد شاہ اطہر	صدر
۲۔	محمد علی	نائب صدر
۳۔	محمد تقی	جنرل سیکرٹری
۴۔	احسان علی	جوائنٹ سیکرٹری
۵۔	علی	رابطہ سیکرٹری
۶۔	بابو محمد قربان	فنانس سیکرٹری
۷۔	ماسٹر رضا	آفس سیکرٹری
۸۔	ماسٹر محمد	خازن
۹۔	علی محمد	سیکرٹری نشر و اشاعت

ارکان کونسل آف گارڈینس

۱۔ آغا سید محمد (۲) محمد اشرف S-P (۳) ڈاکٹر نیاز علی (۴) غلام حسین انجینئر (۵) ماسٹر محمد قاسم (۶) عبدالرحمٰن (۷) غلام محمد (۸) حاجی احمد علی

قارئین کے خطوط

ایڈیٹر کا مراسلہ نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے

(ادارہ نوائے صوفیہ کا قارئین کی آرا سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے)

۱۔ میں نوائے صوفیہ کا شروع ہی سے قاری ہوں۔ آپ نے ابوالعرفان علامہ محمد بشیر صاحب کی زیر نگرانی یہ جریدہ جاری فرما کر سب افرادِ قوم کے دل جیت لئے ہیں۔ اللہ آپ کو اس عظیم مذہبی خدمت پر جزائے خیر عطا فرمائے۔

عباس علی ضیا طوکوری کراچی

۲۔ نوائے صوفیہ اپنی علمی حیثیت برقرار رکھا رہا ہے۔ اس رسالے کا معیار قابلِ تعریف ہے۔ کیا لطف آئے گا اگر یہ رسالہ ماہوار اشاعت پذیر ہو۔ رسالے کی کامیابی پر آپ سب لوگ مبارکباد کے مستحق ہیں۔

مخلص شکور علی انور گلگت

۳۔ آپ حضرات نے نوائے صوفیہ کی چوتھی قسط شائع کر کے قوم کو جگانے کا بیڑا اٹھایا ہے لیکن یہ بات قابلِ افسوس ہے کہ آپ گزشتہ والوں کو نظر انداز کرتے ہوئے رسالے کی پانچویں اور چھٹی قسط سے محروم رکھا۔ رسالہ نوائے صوفیہ پوری قوم کے لئے امید کی واحد کرن ہے آپ چند لوگوں کے کہنے پر نہ جائیں اور نوائے صوفیہ کو ایک ماہانہ رسالے کی شکل میں شائع کیا کریں۔

محمد علی عظمیٰ ایم سی ہاشمی (فائنل)
یونیورسٹی آف بلوچستان کوئٹہ

۴۔ نوائے صوفیہ قسط ۶ کو پڑھنے کا موقع ملا اس شمارے میں تمام مضامین معیاری اور قابلِ تعریف تھے نوائے صوفیہ واقعی احیائے تصوف کا علمبردار ہے۔ میں اس شمارے کا مستقل خریدار بننا چاہتا ہوں۔

سپاہی ٹی - A نذیر حسین کوروی

۵۔ آپ کا شائع کردہ نوائے صوفیہ بلکہ صوفیہ نوربخشیہ کا واحد ترجمان ہے ہم اس کے مستقل قارئین میں سے ہیں اور چاہتے ہیں کہ یہ رسالہ روز بروز ترقی کرے اور حضرت سید علیہ الرحمۃ اور امیر کبیر علی ہمدانیؒ کے نظریات کو عوام تک پہنچانے کا مؤثر ذریعہ بن جائیں تاکہ بھٹکے ہوئے نوربخشی عوام اپنے بزرگوں کی تعلیمات پر ایک بار پھر عمل پیرا ہوں۔ ہم آپ لوگوں خصوصاً علامہ محمد بشیر صاحب کی دینی خدمات کو خراجِ تحسین پیش کرتے ہیں۔

سید محمد شاہ اطہر
صدر نوجوانان صوفیہ نوربخشیہ
سربیک

۶۔ نوائے صوفیہ کو پڑھ کر معلوم ہوا کہ اس میں چند خطوط کے جواب دینے کے علاوہ دینی علوم کے بارے میں کوئی خاص بات تحریر نہیں تھی آئندہ نوائے صوفیہ میں زیادہ سے زیادہ دینی مسائل کو جگہ دیں۔

سلمان ساقی کرمنس ضلع گانچھے

۷۔ نوائے صوفیہ قسط نمبر ۔۔۔ کے تمام مضامین نہایت جامع اور معیاری تھے جن سے میں بہت متاثر ہوئی۔ سب سلسلے ہائے مضامین میں سلسلہ مجموعۂ شریعت محمدیہ مجھے زیادہ پسند ہے۔ اس سلسلے کو ہر قسط میں ضرور جگہ دیں۔ علامہ بشیر صاحب سب نوربخشیوں کے محسن ہیں۔ مگر چند لوگ ان کی علمی خدمات کو حسد کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جس سے اس مذہب سے ان لوگوں کی ہمدردی کا پتہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ علامہ صاحب کو عزت و وقار دے اگر ممکن ہو تو یہ رسالہ ہر ماہ شائع کریں کیونکہ تین ماہ تک انتظار کرنا ہمارے لئے بہت کٹھن ہے اور اس طویل وقفے سے مضامین کا تسلسل بھی ٹوٹ جاتا ہے یہ رسالہ ذریعۂ تبلیغ ہے اسے جاری رہنا چاہیئے۔

سیدہ بانو محمود آباد - کراچی

۸۔ ایک عرصہ سے یہ خواہش دل میں لئے پھر رہا تھا کہ نوائے صوفیہ کے بارے میں قلبی تاثرات قلمبند کروں۔ رسالہ نوائے صوفیہ

پڑھے لکھے مذہب حقہ اور عقائد حقہ سے دلی لگاؤ رکھنے والے اور اتحاد بین المسلمین پر مبنی آفاقی نظریات و تعلیمات کی ترقی کا جذبہ رکھنے والوں کا واحد ترجمان ہے افسوس اب بھی چند شرپسند، خودغرض اور مفاد پرست عناصر صوفیہ نوربخشیہ کے پیروکاروں کو خواب غفلت میں مدہوش رکھنا چاہتے ہیں۔ ہمارا مذہبی زوال دراصل نشر و اشاعت اور دعوت و تبلیغ کے فقدان کی وجہ سے ہے قسط نمبر ۶ میں شامل سارے مضامین قابل تعریف ہیں خصوصاً محترم حسنو صاحب کا کالم تحفۃ السفرائی، سجاد بلغاری کا گلشن زار اور ڈاکٹر غازی محمد نعیم کا صنم پرستی بہت ہی معیاری مضامین تھے۔ موخرالذکر مضمون موجودہ دور کے تقاضوں کے عین مطابق ہے ہمارے مذہبی عقائد کی تعمیر و ترقی، نشر و اشاعت دعوت و تبلیغ اور اتحاد و اتفاق کی راہ میں صنم پرستی سب سے بڑی رکاوٹ ہے اس موضوع پر مزید لکھنے کی ضرورت ہے۔

میرے نزدیک رسالے کی ضخامت بڑھانی چاہیئے اور اسے ماہنامہ بنانا چاہیئے۔ نیز کسی بھی مخالفت کی پروا کئے بغیر اس رسالے کی اشاعت جاری رکھنی چاہیئے۔

صوبیدار محمد اسماعیل عاصی کھرمنگ

۹۔ کافی عرصہ معرضِ التوا میں پڑے رہنے کے بعد نوائے صوفیہ کی دوبارہ اشاعت سے مسرت ہوئی۔ مگر نوائے صوفیہ کی پانچویں قسط میں مجموعۂ شریعت محمدیہ کے عنوان سے شائع ہونے والے فقہی مسائل کے فقدان اور شاہ سید محمد نوربخش کی تعلیمات کی وضاحت کی راہ میں روڑے اٹکانے کی ناکام کوششیں دیکھ کر افسوس بھی ہوا۔ یہ مضمون نوائے صوفیہ کی روح ہے جس کی چھٹی قسط میں اشاعت سے نہایت خوشی ہوئی ابوالعرفان صاحب سے گزارش ہے کہ وہ مصلحت آمیزی کو چھوڑ کر حقیقی معنوں میں شاہ سید کی تعلیمات کی تشریح و توضیح کے حق کو پورا کریں۔ حال ہی میں ترجمہ شدہ دعوت صوفیہ کے اردو ترجمے میں سید خورشید عالم نے پیروں کو مسح کرنے یا دھوتے وقت یہ دعا پڑھیں" کے الفاظ تحریر کر کے حقیقت پسندی کا ثبوت دیا ہے دگرنہ ابوالعرفان صاحب اس معاملے میں ابہام اور اجمال کا شکار دکھائی دیتے ہیں۔ اور انہوں نے مصلحت پسندی کے پیش نظر حقیقت پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے علامہ صاحب کی مضمون تفکر و تدبر قابل تعریف ہے

ڈاکٹر علی خیلو

۱۰۔ قسط نمبر ۶ کے سارے آرٹیکل پسند آئے۔ خاص طور پر جناب علی احمد قمر کی حمد۔ ذاکر حسین کا آہ سحرگاہی، مجموعۂ شریعت محمدیہ، دنیائے تصوف کی خبریں اور ڈاکٹر غازی محمد نعیم کا تحریر کردہ مضمون صنم پرستی قابل تعریف ہیں۔ فرصت ملنے پر نوائے صوفیہ کے لئے کچھ ارسال کروں گا۔

جی ایم شاہد۔ سکردو

۱۱۔ انتظار کی گھڑیاں گن گن کر گزارنے کے بعد آخر کار نوائے صوفیہ خوشیوں کا پیامبر بن کر غریب خانے میں اُتر پڑا۔ چھٹی قسط میں مجموعۂ شریعت محمدیہ دوبارہ شائع ہونے پر انتہائی مسرت ہوئی جبکہ پانچویں قسط اس مضمون کے عدم شمولیت کے باعث پھیکی سی لگی تھی میرے نزدیک یہ مضمون گلستانِ نوائے صوفیہ کا ایک نادر پھول ہے۔ ہاں ہمیں احساس ہے کہ بعض عناصر نہ صرف اس عنوان کی بلکہ اس رسالے کی بھی مخالفت کرتے ہیں لیکن بفضلِ خدا حامیوں کی بھی کوئی کمی نہیں برائے صوفیہ ملت نوربخشیہ کے افق پر ایک درخشاں ستارے کی مانند ابھرا ہے جو انشاء اللہ اندھیروں کے نگر میں ضوفشانی کرے گا۔ اور شریعت محمدیہ اجاگر کرے گا۔ ساتویں شمارے کے ٹائیٹل کے لئے ایک تصویر ارسال خدمت ہے۔

محمد زکریا۔ محمود آباد کراچی

۱۲۔ نوائے صوفیہ ہمارا پہلا مذہبی رسالہ ہے۔ لیکن بدقسمتی سے کچھ لوگ اس کی مخالفت پر کمربستہ ہیں۔ اور گزشتہ تین چار برسوں سے گھن کی طرح اس پاک مسلک کو چاٹ رہے ہیں۔ اور نت نئی تصانیف منظر عام پر لا رہے ہیں اور اس پاک مذہب کے لوگوں کو سکون کا سانس نہیں لینے دیتے جس کی ایک مثال حال ہی میں شائع شدہ دعوت اور فاشدہ ہے۔

غلام مہدی تبسم

مرمی گنڈ بلتستان

۱۳۔ نوائے صوفیہ کی پانچویں قسط پڑھ کر بندہ کا دل دکھا تھا کیونکہ مجموعہ شریعت محمدیہ کو چھپنے سے روکنے کی ناکام کوشش کی تھی جس سے غم و غصے کی ایک لہر دوڑ گئی حالیہ قسط میں اس عنوان کی دوبارہ اشاعت سے خوشی ہوئی اس عنوان سے ہم شاہ سید کی تعلیمات سے بخوبی واقف ہو سکتے ہیں آخر میں ہم آپ سے ہر قسم کے تعاون کی پیشکش کرتے ہیں۔

سلیم اللہ گوردی - بی A&Q ڈگری کالج سکردو

گذشتہ سے پیوستہ (آخری قسط)

احوال میر عارفؒ

سید زاہد حسین الموسوی صبر واعظ

جیسا کہ گذشتہ اقساط میں ذکر ہو چکا ہے کہ حضرت میر عارفؒ اور حضرت میر مختار اخیار حضرت میر ابو سعیدؒ کے صاحبزادے تھے۔ جنہوں نے براستہ کھرمنگ بلتستان تشریف لا کر پہلے کریس میں، پھر خپلو میں اور بالآخر تھگس میں سکونت اختیار کی۔ پھر یہیں نکاح بھی فرمایا جس کے نتیجے میں ایک لڑکی مہر بانو اور لڑکا میر ابرار پیدا ہوئے میر ابرار کو میر صاحب نے عاق کر کے گاؤں بدر کیا میر ابرار ٹمرمو میں آباد ہوئے اور ان سے میر فوزرق کی قوم چلی جو دو پشتوں کے بعد ختم ہو گئی حضرت میر عارف نے اپنی بیٹی مہر بانو کو میر مختار اخیار کے منجھلے صاحبزادے میر اسحاق کے عقد میں دے دیا حضرت میر عارف ۱۰۶۱ھ میں تھوڑی مدت تک بیمار رہنے کے بعد فوت ہو گئے تو خطرہ پیدا ہوا کہ کھرمنگ والے ان کی نعش مبارک کو چرا کر لے جائیں گے چنانچہ کچھ دن تک آپ کی نعش سینو میں رزق کے مقام پر چھپا کر رکھی گئی اس مقام پر پیدا ہونے والی جڑی بوٹیاں اب بھی ہر بیماری کے لئے شفا سمجھی جاتی ہیں یہاں آستانہ کھور کے نام سے اب بھی چار دیواری موجود ہے عقیدت مندوں کو پھر بھی تسلی نہ ہوئی۔ اور میت کو سینو نالہ میں منتقل کیا یہ جگہ اب بھی آستانی غملا کے نام سے مشہور ہے اور ہر گزرنے والا میر صاحب کی روح کو ایصال کے لئے فاتحہ ضرور پڑھتا ہے پھر ادھر سے میر صاحب کی نعش کو تھگس کے خولاٹے گاؤں میں لایا گیا اور ایک مکان (موجودہ ملکیت اخوند چھیرین یوسف) کے تہ خانے میں چالیس دن تک چھپا کر رکھی گئی یہاں لوگوں نے دیکھا کہ چالیس دن کے بعد آپ کے بال بڑھ کر آنکھوں تک پہنچ چکے ہیں۔ اس گاؤں میں میر صاحب کی عصا محفوظ ہے جس کو باعث خیر و برکت سمجھا جاتا ہے اس کے بعد میر صاحب کی نعش کو خانقاہ معلیٰ تھگس کی جنوبی جانب دفن کیا گیا تاحال اچھی حالت میں محفوظ ہے۔ آج سے گیارہ سال پہلے ایک انگریز تاریخ دان زنگکا نامی نے اس آستانے اور خانقاہ معلیٰ کی تاریخ لکھی ہے جو تاحال منظر عام پر نہیں آئی۔ دو سال قبل تھگس کے نوربخشیوں نے خانقاہِ معلیٰ کی مرمت شروع کی ہے جو اب تکمیل کے قریب ہے۔ میر عارفؒ کا روضہ کشمیر کی قدیم طرز تعمیر کا منفرد شاہکار ہے جس میں چوب کاری کے خوبصورت اور محیر العقول نمونے ملتے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اس خوبصورت شاہکار کو محفوظ بنانے کا بندوبست کیا جائے میر صاحب کی لوحِ مزار سنگِ مرمر کی ہے جس پر جلی قلم سے مندرجہ ذیل عربی عبارت کندہ ہے:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ○ یا فتاح اللھم صلِ علیٰ محمد وآلِ محمد صلِ علیٰ علیٍ وصلِ علیٰ حسنٍ وصلِ علیٰ حسینٍ وصلِ علیٰ زین العابدینِ وصلِ علیٰ محمد باقرٍ وصل علیٰ جعفرِ صادق وصلِ علیٰ موسیٰ کاظم وصلِ علیٰ علی الرضا وصل علی محمد تقیٍ وصلِ علیٰ علی النقیِ وصل علی حسن عسکری وصلِ علیٰ محمد مھدی صلوات اللہ وسلامہٗ علیہ وعلیھم اجمعین علی الخصوص سید علی ہمدانی وحضرت خواجہ اسحاق ختلانی وحضرت شاہ سید محمد نوربخش قہستانی قدس اللہ اسرارھم العزیز ○

قطعۂ تاریخ وفات بھی اس پتھر پر یوں درج ہے

پیرِ طریقت اہلِ یقین میر عارف ست
اہلِ مجامع راہِ یقیں پیر عارف ست
ہاتف زغیب گفت کہ بیہودہ سر مزن
تاریخِ فوت پیرِ یقیں میر عارف ست
۱۰۶۱ھ

گزشتہ سے پیوستہ

صنم پرستی

غازی محمد نعیم

چنانچہ رسولِ پاکؐ نے اپنے آخری خطبے میں فرمایا تھا کسی کالے کو گورے پر اور کسی گورے کو کالے پر کوئی تفوق حاصل نہیں۔ تفوق صرف تقویٰ کو حاصل ہے تم سب آدم کی اولاد سے ہو اور آدم مٹی سے بنے تھے آپ کا ارشاد قرآن پاک کی اس آیت کریمہ کی تفسیر ہے کہ ہم نے تمہارے قبائل بنا دیئے تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچان سکو۔ ایک اور جگہ ارشاد ہے۔ ان اکرمکم عند اللہ اتقکم۔ یعنی تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیزگار ہے اور اس کے بعد دیکھئے آدم الاولیاء علیؑ کیا فرماتے ہیں۔

اَلنَّاسُ مِنْ جِہَۃِ التِّمْثَالِ اَکْفَاءٌ

لوگ بلحاظ صورت یکساں ہیں۔

اَبُوْھُمْ اٰدَمُ وَ الْاُمُّ حَوَّاءٌ

ان کے باپ آدم اور ماں حوا ہیں

فَاِنْ یَّکُنْ لَّھُمْ مِنْ اَصْلِھِمْ شَرَفٌ

اگر لوگوں کو قابل فخر عزت نسب سے حاصل ہے

یُفَاخِرُوْنَ بِہٖ فَالطِّیْنُ وَ الْمَاءُ

تو یہ عزت بے حقیقت ہے کیونکہ ان کی اصل مٹی اور پانی ہے۔

اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ کچھ انسانوں اور ان کی آل کو خداوند تعالیٰ نے ان کے نیک اعمال کی بدولت ممتاز و محترم قرار دیا چنانچہ قرآن پاک میں ارشاد ہے۔ اِنَّ اللہَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَ نُوْحًا وَّ اٰلَ اِبْرٰھِیْمَ وَ اٰلَ عِمْرٰنَ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ۔

اسی طرح رسول پاکؐ کی اولاد بھی دیگر مسلمانوں کے لئے اپنے شرف نسبی کے سبب قابلِ احترام ہے بشرطیکہ وہ اسوۂ رسولؐ کو اپنا شعار بنائے

۲۔ فرقہ پرستی اور قومیت کا بُت:

بُت پرستی کی یہ صورت حسب نسب کے بُت سے مماثل ہے مگر اس کی علیحدہ اور مستقل اہمیت ہے۔ اہل اسلام کے مختلف فرقوں میں آج کل بدقسمتی سے تعصب اور نفرت عروج پر ہے کوئی حبِ علیؑ میں غلو کرتا ہے اور کوئی معاویہؓ و عائشہؓ کے حامی اور طرف دار ہیں۔ یہ لوگ گذرے ہوئے زمانوں میں رہتے ہیں اور ان باتوں میں اختلاف پیدا کرتے ہیں جن پر خود اس زمانے میں لوگوں نے کسی نہ کسی شکل میں اتفاق رائے اور صلح کو مفید خیال کیا۔ کسی صحیح الدماغ آدمی سے پوچھا جائے کہ کیا گذرے ہوئے زمانوں کے واقعات کے متعلق آج ہزار برس بعد ہمارا لڑنا جھگڑنا قرین عقل ہے تو جواب نفی میں ہوگا۔ دراصل یہ اسلام کو کمزور کرنے کی ایک سازش ہے مگر آج کے مسلمان بدقسمتی سے فروغِ تعصب کو اہم فریضہ دینی خیال کرتے ہیں۔ اور مذہب کے نام پر کئی لوگوں کا گلا کاٹا جاتا ہے تعجب کی بات تو یہ ہے کہ ہر شخص اپنے آپ کو حق کا حامی خیال کرتا ہے اور فروغ تعصب کے جاہلانہ مشن کو جہاد فی سبیل اللہ خیال کرتا ہے اقبالؒ نے ایسے لوگوں کو خبردار کرتے ہوئے فرمایا تھا۔

اے گرفتار ابوبکرؓ و علیؓ ہشیار باش

فرقہ پرستی کے علاوہ جس بُت کی پوجا زوروں پر ہے وہ قومیت پرستی ہے اس بُت کی پوجا کسی نہ کسی صورت میں دنیا کے ہر خطے میں جاری ہے۔ قومیت پرستی ایک صحت مند رجحان بھی ثابت ہو سکتی ہے اور ترقی اور عروج کا زینہ ثابت ہو سکتی ہے مگر بدقسمتی سے یہ محدود مقاصد کو پورا کرتی ہے اہلِ اسلام تو جغرافیائی لسانی اور نسلی قیود سے بالاتر ہو کر ایک قومیت کے حامل ہیں اور اس قومیت کی بنیاد توحید پر ہے مگر مسلم قوم اپنی اس جذبۂ قومیت کو فروغ دیں اور خود کو قوم اکا دنیا سے بہتر اور برتر بنائیں تو یہ جذبہ مفید ہے مگر اس کا بھی مطلب یہ نہیں کہ غیر مسلموں سے نفرت کی پالیسی اپنائی جائے۔ محبت کی ہی ایسا حربہ ہے جس کے بل بوتے پر تمام دیگر قوموں کو بھی دینِ حق کی طرف مائل کیا جا سکتا ہے یاد رکھیئے کہ اسلام محبت کا مذہب ہے نفرت کا نہیں۔

اصنامِ دیگر :۔

مضمون ختم کرنے سے پہلے چند اور بتوں کا تذکرہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جن کی پرستش بدقسمتی سے ہمارے ماحول میں شب و روز جاری رہتی ہے ان میں یہ بُت خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ اندھی عقیدت کا بُت۔ حسد کا بُت۔ لالچ کا بُت۔ خوشامد کا بُت۔ رشوت کا بُت، اور سفارش کا بُت۔

خدا تعالیٰ کی ذات پر لوگوں کا ایمان اور توکل ختم ہو گیا ہے اور وہ ان جھوٹے خداؤں پر ایمان لے آئے ہیں۔

بظاہر تو وہ اللہ تعالیٰ کو ہی اپنا پالنہار اور حقیقی حاجت روا مانتے ہیں مگر بھروسہ بتوں پر کرتے ہیں۔ کتنے متشرع اصحاب کو دیکھا ہے جو بظاہر اپنے اسلام کا ڈھنڈورا پیٹتے دکھائی دیتے ہیں مگر اپنے لالچ کو پورا کرنے کے لئے مخلوقِ خدا سے اپنی ساری توقعات وابستہ کرتے ہیں اور حتیٰ کہ اپنے مطلب برادری کے لئے ان گھٹیا ہتھکنڈوں یعنی رشوت اور سفارش کے استعمال سے بھی نہیں چوکتے۔ انہیں بھوک اور ننگ کا ڈر ہے آئندہ کی بدحالی کا خوف ہے جا اولاد کے مستقبل کا فکر بے سود ہے مگر اپنے انجام کا فکر نہیں۔ وہ اپنے پیٹ میں آگ بھرنے میں مصروف رہتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے اس حکم یعنی خود کو اور اپنے اہل و عیال کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ کی صریح خلاف ورزی کرتے ہوئے خود بھی لقمۂ حرام کھاتے ہیں اور اولاد کو بھی کھلاتے ہیں۔

کیا ہی اچھا ہو کہ سب انسان اپنی زندگیوں کو ایاک نعبدو ایاک نستعین کا عملی نمونہ بنائیں۔ صرف خدا کی ذات پر توکل کریں اور اسی کے آگے سربسجود ہوں تاکہ دیگر بتوں سے انہیں نجات مل سکے۔

بقیہ :۔ آپ کے خطوط

۱۳۔ نوائے صوفیہ میں سلسلۂ مجموعۂ شریعت محمدیہ کی اشاعت ضروری ہے۔ کیونکہ یہی مضمون اس رسالے کی روح ہے نوائے صوفیہ تبلیغ کا واحد ذریعہ ہے جسے باقاعدہ اور مؤثر انداز میں شائع ہوتے رہنا چاہیئے

محمد صادق
صدیقی بکشنرز سکردو

بقیہ :۔ شاہ سید نور بخش رہ

آپکی زندگی ۷۳ سال تھی۔ اور وفات ماہِ ربیع الاول ۸۶۹ھ میں واقع ہوئی۔ ربیع الاول کی ۱۶ تاریخ تھی۔ جمعرات کا روز اور چاشت کا وقت تھا کہ وہ دنیا کا امام اس عالمِ فانی سے گیا۔

اس جاں سوز مصیبت میں مخلصوں کے دل غم کی آتش پر جلے اور مریدوں کی آنکھیں کی طرح حسرت کے آنسو بہانے لگیں۔

تصوّف و عرفان کے موضوع پر ایک بے نظیر کتاب

گلشنِ راز

سجاد حسین بلغاری سکردو

شیخ موصوف کے متعلق صاحبِ مجالس المومنین یوں رقمطراز ہیں:
"شیخ لاہجیؒ اعظم واکمل وافضل خلفاءِ سید محمد نور بخشؒ است اگر جمیع سلسلہ نوربخشیہ و سلسلہ عالیہ ہمدانیہ بلکہ تمام سلاسل صوفیہ بوجود او افتخار کنند میگنجد۔" یعنی آپ (شیخ لاہجیؒ) حضرت سیّد محمد نوربخش کے اعظم واکمل وافضل خلفاء میں سے ہیں۔ اگر تمام سلسلہ نوربخشیہ، تمام سلسلہ عالیہ ہمدانیہ بلکہ تمام سلاسل صوفیہ آپ کے وجود پر فخر کرے تو بجا ہے۔

شیخ لاہجی کی دوسری تصنیف دیوانِ اسیری اتنی مشہور اور اہم ہے کہ اس جدید دور میں بھی یہ اسے میک گل یونیورسٹی کینیڈا میں بطور نصاب پڑھایا جا رہا ہے اور اس کے علاوہ تہران یونیورسٹی میں بھی شاملِ نصاب ہے۔

گلشنِ رازِ جدید

گلشن راز کی تصنیف کے سات سو سال بعد علامہ ڈاکٹر محمد اقبالؒ نے بھی اس مثنوی کی طرز پر ایک مثنوی "گلشن رازِ جدید" کے نام سے لکھی ہے۔ اقبال نے گلشن کے سترہ سوالات میں سے گیارہ سوالوں کا انتخاب کیا ہے اور پھر انہیں نو سوالوں میں ضم کر کے ان کے جوابات لکھے ہیں۔ شیخ شبستری کی مثنوی میں تمہید کے ایک سو چھتیس اشعار ہیں جب کہ اقبال کی مثنوی میں تمہید ساٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔

"گلشن راز" اور "گلشن رازِ جدید" دونوں ایک ہی وزن اور بحر میں لکھی گئی ہیں مگر مفاہیم و معانی میں تضادات موجود ہیں مثلاً اول الذکر میں خودی کی مذمت اور نفی کی گئی ہے اور فنائے خودی و انانیت کی تعلیم دی گئی ہے جب کہ اقبال کی مثنوی میں خودی کی تعریف کی گئی ہے اور اس کو باقی رکھنے اور اس کی تربیت کرنے پر زور دیا گیا ہے۔ تاہم دونوں نے خودی کا لفظ الگ الگ معنوں میں استعمال کیا ہے۔ "خودی" فارسی کا لفظ "خود" سے مشتق ہے جس کے معنی تکبّر، غرور اور خود بینی وغیرہ لیے جاتے رہے ہیں۔ شیخ شبستری کی مثنوی میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے مگر جب علامہ اقبال نے اپنے مشہور فلسفہ خودی کی تشکیل کی تو انہوں نے اس لفظ کے مفہوم کو یکسر بدل دیا۔ اقبال کے ہاں یہ معرفتِ نفس شعورِ ذات اور تعمیرِ شخصیت کے معنوں میں مستعمل ہے اس بنا پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگرچہ دونوں مثنویوں میں بظاہر مفاہیم کے اعتبار سے تضاد نظر آتا ہے لیکن اصلیت میں دونوں ہی اپنے اپنے معنی اور مفہوم کے لحاظ سے درست ہیں اور ایک دوسرے کی ترجمانی کرتے ہیں۔

قارئین سے گذارش ہے کہ اگر ان کے پاس خانقاہوں یا مساجد کی تصاویر موجود ہے تو براہِ کرم درج ذیل پتہ پر ارسال کریں تاکہ زائے صوفیہ میں جگہ دی جا سکے۔ تصویر شائع کرنے کے بعد واپس کر دی جائے گی۔

جی ایچ معروفی
فلیٹ نمبر ۷ بلاک ۳ کنگیری ۱۷
آئی ایٹ اسلام آباد

تمام مستقل خریداروں سے توقع کی جاتی ہے کہ وہ چار قسطوں کی قیمت مبلغ ۳۰ روپے سالانہ کے حساب سے ایڈوانس جمع کرائیں تاکہ مستقل خریداروں کو بر وقت رسالہ پہنچانا ممکن ہو سکے یہ رقم بذریعہ منی آرڈر مذکورہ بالا پتہ پر ارسال کریں۔

شکریہ

ترانہ صوفیہ

ذاکر حسین ذاکر

ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں   سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں
بندے ہیں ہم اللہ کے، ملت خلیل اللہؑ کی   اولاد ہیں آدمؑ کے، اور امت حبیب اللہؐ کی

ہم وارثانِ اصفیاء، صدق و صفا دستور ہیں
ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں
سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں

اسلام دین و روح ہے، قرآن کتاب و زندگی   کعبہ ہمارا قبلۂ دل اور جائے بندگی

طرزِ نبیؐ کی پیروی کرنے پہ ہم مامور ہیں
ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں
سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں

واجب علیؑ کی دوستی، مولاؑ ہمیں محبوب ہیں   جو طالبانِ حق ہیں ان سب کے علیؑ مطلوب ہیں

سینے ہمارے ان کی الفت سے سدا معمور ہیں
ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں
سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں

سونے کی اک زنجیر کی مانند اپنا سلسلہ   تھامے جو اس زنجیر کو ہے اس کا مذہب صوفیہ

میخانہ ہمدان سے پیتے مئے کا نور ہیں
ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں
سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں

بخشا سپر نے فیض ہے، بخشا پدر نے نور ہے   محروم ہے وہ شخص جو بخشش سے ان کی دور ہے

ہم خوبیٔ قسمت سے ان کی خاک پا مشہور ہیں
ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں
سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں

پروانۂ شبیر ہیں، فوج امام العصر ہیں   امیدوارِ فتح ہیں، امیدوارِ نصر ہیں

باطل کو یہ اندازہ ہے ہمت سے ہم بھرپور ہیں
ہم کاروانِ نور ہیں اور ظلمتوں سے دور ہیں
سب ہم کو حق کی راہ میں قربانیاں منظور ہیں